الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ

اپریل ۲۰۱۶ء



سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ

[illegible]

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

زیر سرپرستی:
عزیز ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ
سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

جلد نمبر ۴۰ شمارہ ۴

اپریل ۲۰۱۶ء

جمادی الآخر۔رجب ۱۴۳۷ھ

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴	**THE ASHRAFIA MONTHLY** Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404	قیمت عام شمارہ: 20 روپے سالانہ: 200 روپے
چیک اور ڈرافٹ بنام **مدرسہ اشرفیہ** بنوائیں	کوڈ نمبر ——— 05462 دفتر ماہنامہ اشرفیہ ——— 250149 الجامعۃ الاشرفیہ ——— 250092 دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122	سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ 500 روپے دیگر بیرونی ممالک $ 20 امریکی ڈالر £ 15 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشـــــــمـــــــولات

اداریہ

حضرت حافظ ملت کا اکتالیسواں عرس بہ حسن و خوبی اختتام پذیر

جامعہ اشرفیہ کے مختلف شعبوں سے فارغین کی تعداد ۵۴۶

مبارک حسین مصباحی

جلالۃ العلم استاذ العلما حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی بانی جامعہ اشرفیہ مبارکپور کی شخصیت آج محتاجِ تعارف نہیں، ملک اور بیرون ملک آپ کے کثیر فیض یافتگان اور ہزاروں فرزندانِ اشرفیہ دین وملت کی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۳۱ر مئی ۱۹۷۶ء میں وصال فرمانے والے اس تاجدار علم و روحانیت کا یہ اکتالیسواں عرس مبارک تھا، اس کی تمام تقریبات ۳۰ر جمادی الاولیٰ و یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۳۷ھ/۱۰/۱۱ر مارچ ۲۰۱۶ء میں بحسن و خوبی پایۂ تکمیل کو پہنچیں، گیارہ بج کر ۵۵ر منٹ پر قل شریف کی مقدس مجلس ہوئی۔ صاحبِ سجادہ شہزادۂ حافظِ ملت حضرت عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ کی سیادت و قیادت میں تمام امور اختتام پذیر ہوئے ۔

۱۰ر مارچ ۲۰۱۶ء کو بعد نمازِ فجر قیام گاہ حافظِ ملت پر اجتماعی قرآن خوانی کا اہتمام ہوا۔ نعت، منقبت او خطاب کے بعد حضرت صاحبِ سجادہ دامت برکاتہم العالیہ نے شجرہ خوانی فرمائی۔ آپ نے اہلِ مبارک پور، زائرین اور عالمِ اسلام کے لیے دعائیں فرمائیں۔ اہلِ سنت و جماعت کے درمیان اتحاد و اتفاق کے لیے بطور خاص بارگاہِ الٰہی میں دعا کی۔ انجمن غوثیہ پرانی بستی کی جانب سے حسب روایت حلوہ تقسیم کیا گیا۔

۱۰ر مارچ ۲۰۱۶ء کو بعد نمازِ ظہر قیام گاہ حافظِ ملت سے چادروں کا جلوس نکلا، اس کاروان عشق و محبت میں بڑی تعداد میں عزیزی برادران شرکت فرماتے ہیں۔ مبارک پور کی انجمنیں یکے بعد دیگرے منظوم چادریں پڑھتی ہیں، شرکا عشق و وارفتگی میں ڈوب کر انعامات کی بارشیں کرتے ہیں۔ حضرت صاحبِ سجادہ کی قیادت میں یہ جلوس مزار حافظِ ملت میں داخل ہوتا ہے، ہر طرف نعروں کی گونج ہوتی ہے، قل شریف کے بعد حضرت صاحبِ سجادہ شجرہ خوانی فرماتے ہیں، رقت خیز انداز میں دعا فرماتے ہیں۔ اسی طرح ۱۱ر مارچ ۲۰۱۶ء کو حضرت صاحبِ سجادہ کی قیادت میں جلوس آتا ہے۔، دوسرے دن کا جلوس پہلے دن سے بڑا اور بہت جذباتی ہوتا ہے۔ ان جلوسوں کے علاوہ مبارک پور کے مختلف علاقوں سے چادروں کے جلوس آتے ہیں اور عشق و محبت میں ڈوب کر خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

عرس کے نظم و نسق پر ایک نظر: امسال عرس حافظ ملت میں زائرین کی تعداد میں کثرت بھی حیرت انگیز تھی، جامعہ کے وسیع میدانوں، شاہ راہوں اور مین روڈ پر قصبے تک دو کانیں بڑے سلیقے سے لگی تھیں، اس بار ”عزیزی کتاب میلے“ میں چالیس سے زیادہ مقامی اور بیرونی کتابوں کے بک اسٹال لگے تھے۔ عام طور پر مفت کھانے کا اہتمام عرس کمیٹی کی جانب سے کیا جاتا ہے، ڈائننگ ہال اور دیگر مقامات پر کھانا کھانے والوں کا عقیدت مندانہ انداز دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

عرس کے موقع پر جامعہ اشرفیہ کے طلبہ کی تحریک ”مجلس خیر خواہ“ اور ذمہ داروں کی جانب سے نمازِ باجماعت کا بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ طلبہ کے ۱۲ر گروپ بنائے گئے تھے۔ ایک ایک گروپ میں لگ بھگ دو دو درجن طلبہ تھے، جو ہر وقت کی اذان سے قبل اور بعد جامعہ کے مختلف علاقوں میں پھیل کر زائرین کو باجماعت نماز کی دعوت دیتے تھے، ان کی صدا تھی، چلو نماز کی طرف، مجلس خیر خواہ کے ذمہ داروں نے دو کانوں کے سامنے لگانے کے لیے بڑی تعداد میں کپڑوں کا اہتمام کیا تھا، جو اذان کے بعد کھینچ دیتے تھے۔ اسی کے ساتھ اذانِ مغرب سے قبل اور دیگر نمازوں میں اذان کے بعد باضابطہ اعلان کیا جاتا تھا کہ تمام حضرات نمازِ باجماعت ادا کرنے کے لیے مسجد میں حاضر ہو جائیں۔ اسی کے ساتھ یہ اعلان بھی ہوتا کہ جو لوگ ادھر ادھر نظر آئے ان کے خلاف سخت کارروائی بھی کی جا سکتی ہے۔ اس نظم کو کامیاب بنانے میں علمائے اشرفیہ اور

دعوتِ اسلامی کے مبلغین کا بھی کردار شامل رہا۔

پہلا اجلاسِ عام: ۱۰/ مارچ ۲۰۱۶ء کو بعد نمازِ عشا اجلاسِ عام کا آغاز ہوا۔ نظامت کے فرائض دونوں دن حضرت مولانا قیصر رضا اعظمی نے انجام دیے۔ تلاوتِ کلامِ ربانی کے بعد نعتوں، منقبتوں اور خطابات کا سلسلہ جاری ہوا۔ نعت یا منقبت پڑھنے والوں کے اسماے گرامی اس طرح ہیں۔ محمد بلال، محمد اویس رضا، دار السلام، مولانا تحسین رضا دیولوی، ناظم علی، مولانا قاری نور الہدیٰ مصباحی، ان حضرات نے اپنے اپنے مخصوص اندازوں میں عقیدتوں کا خراج پیش کیا۔ علماے کرام نے بھی اپنے مطالعے اور اپنے بلند حوصلوں سے بہتر سے بہتر خطابات فرمائے۔ ہم بلا تبصرہ ان خطبا کے اسماے گرامی پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، مولانا سید محمد ظہور، قاری محمد سلیم الدین، قاضی شکیل احمد، مولانا عبد العزیز، مولانا محمد فاروق مصباحی کشمیر، مولانا سید محمد عارف اقبال مصباحی مدھوبنی، عالی جناب انجینئر سید فضل اللہ چشتی دہلوی، مولانا سلطان رضا سیوانی، خطیبِ شہیر مولانا مقبول احمد سالک مصباحی۔

آخری خطیب کی حیثیت سے خطیب الہند حضرت مولانا عبید اللہ خاں اعظمی مائک پر تشریف لائے۔ آپ کے خطاب کا موضوع حضور حافظِ ملت اور ان کی تحریکِ اشرفیہ تھا، آپ نے اپنے منفرد لب و لہجہ میں سامعین کو محظوظ فرمایا۔ آپ نے حضور حافظِ ملت کے کردار و عمل اور علم و اخلاق پر تفصیلی روشنی ڈالی اور عشق انگیز مثالوں کے ذریعہ اپنے خطاب کو موثر بنایا۔ آپ نے فرمایا، ہمارے محسن و مربی آج بھی جامعہ اشرفیہ کی نگہبانی فرما رہے ہیں اور ان کے روحانی فیضان کا سمندر آج بھی جامعہ اشرفیہ کے احاطے میں ابل رہا ہے۔

نئی نئی کتابوں کی رسمِ رو نمائی: صاحبِ سجادہ حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ او دیگر اکابر علماے کرام نے حسب ذیل کتابوں کی رونمائی فرمائی۔ بفضلہٖ تعالیٰ فرزندانِ اشرفیہ دیگر صلاحیتوں کے ساتھ فکر و قلم کی صلاحیتوں سے بھی آراستہ ہوتے ہیں، اس کا اندازہ آپ حسب ذیل کتابوں سے بھی لگا سکتے ہیں، مگر ان کتابوں کی تعداد سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکالنا چاہیے کہ قلم کاروں کی تعداد فقط اتنی ہی ہے، بلکہ لکھنے کے بعد ایک اہم مسئلہ اس کی طباعت و اشاعت کا ہوتا ہے، بہت سے فارغین مالی کمزوری کی وجہ سے اپنی کتابوں کی طباعت کی ہمت نہیں کر پاتے اور پھر ہر کام کا بھی ایک وقت ہوتا ہے۔ اب آپ ذیل میں صرف کتابوں کے نام پڑھ لیجیے۔

(۱) **جامع مسانید الامام الاعظم:** دو جلدیں، ۹۶۸ صفحات، احادیثِ نبویہ پر مشتمل اس علمی کتاب کی اشاعت امسال جشن یومِ مفتی اعظم ہند کے موقع پر جماعت سابعہ جامعہ اشرفیہ نے کی (۲) **سال نامہ باغِ فردوس کا مجد دینِ اسلام نمبر:** اس میں ۵۵/ مجد دین کا ذکرِ خیر ہے، اس کی ترتیب و اشاعت کا شرف تنظیم پیغامِ اسلام کے تحت متعدّد صوبوں اور اضلاع کے طلبۂ اشرفیہ نے کیا۔ (۳) **دعوت و تبلیغ کا نبوی اسلوب:** مولانا محمد آزاد عالم مصباحی (فضیلت) نے مرتب کیا۔ (۴) فضائلِ مدینہ: اس کے مرتب مولانا صادق الاسلام مصباحی (فضیلت) ہیں۔ (۵) **مصنفین صحاحِ ستہ کے حالات:** مولانا محمد حشمت علی مصباحی (فضیلت) نے مرتب کیا۔ (۶) **امپورٹنس آپ زکاۃ اِن اسلام:** [انگریزی] اس کے مرتب مولانا محمد عرف اچھے میاں مصباحی (فضیلت) ہیں۔ (۷) **ترکِ نماز کی تباہ کاریاں:** اس کے مرتب مولانا محمد حسن رضا مصباحی [فضیلت] ہیں۔ (۸) **اہم عقائد و مسائل:** اس کے مرتب مولانا داؤد عالم مصباحی ہیں۔ (۹) **خطباتِ رئیس القلم:** اس کے مرتب مولانا محمد عارف رضا مصباحی ہیں۔ (۱۰) **فضائلِ درود و سلام:** یہ عربی کتاب "الخیر الکثیر فی الصلوٰۃ والسلام علی البشیر النذیر" شیخ ابو سعید شعبان بن محمد موصلی شافعی (م: ۸۲۸ھ) کی ہے۔ مولانا عبد القدوس مصباحی (فضیلت) نے ترجمہ و تخریج کا کام کیا ہے۔ (۱۱) **اخلاص اور حسنِ نیت:** حافظ ابن ابی الدنیا (م: ۲۸۱ھ) کی تصنیف "الاخلاص والنیۃ" کا مولانا احسان رضا مصباحی (تخصص فی الادب) نے ترجمہ اور تخریج کیا ہے۔ (۱۲) **زیارت و توسل:** یہ کتاب ابنِ حاج مالکی (م ۷۳۷ھ) کی "تعریف الانام فی التوسل بالنبی و زیارتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام" ہے۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا سراج احمد مصباحی (تخصص فی الحدیث) نے کیا ہے۔ (۱۳) **بدفعلی کا وبال:** یہ کتاب امام ابو بکر بغدادی (م ۳۶۰ھ) کی "ذم اللواط" تصنیف ہے، اس کا اردو ترجمہ مولانا سراج احمد مصباحی (تخصص فی الحدیث) نے کیا ہے۔ (۱۴) **علما کے اخلاق و کردار**، یہ تصنیف "اخلاق العلما" امام ابو بکر آجری (م ۳۶۰ھ) کی ہے اس کا اردو ترجمہ مولانا محمد افضل حسین مصباحی (فضیلت) نے کیا ہے۔ (۱۵) **چالیس احادیث:** اس کے مرتب مولانا سید محمد معراج الدین مصباحی (فضیلت) ہیں۔ موصوف نے ترجمہ اور تشریح و تخریج کی ہے۔ اسے اردو رسم الخط اور رومن "انگریزی" میں شائع کیا

ہے۔(۱۶) **فضائل حرمین**: یہ کتاب مولانا محمد توفیق عالم مصباحی (فضیلت) کی ہے۔(۱۷) **برکات الاربعین**: یہ کتاب مولانا شیخ الطاف حسین مصباحی کی تالیف ہے، اس میں موصوف نے ترجمہ، تشریح اور تخریج کی ہے۔(۱۸) **روشن ضمیر**: اس کے مرتب کاتب محمد ابراہیم زریں رقم پناسیوی ہیں۔ تحقیق، تخریج، تحشیہ اور تسہیل کا کام مولانا انور رضا خاں مصباحی (فضیلت) نے انجام دیا ہے۔

علماے کرام کی چند مزید کتابیں حسب ذیل ہیں:

(۱۹) **حفظانِ صحت، اصول و تدابیر**: یہ کتاب ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی (ایم.بی.بی.ایس.، ایم.ایس.) کا وقیع خطاب ہے۔ یہ خطاب جامعہ اشرفیہ میں طلبہ کے درمیان کیا۔ اصل کتاب ہندی میں تھی، اس کا اردو ترجمہ جناب ماسٹر افضال احمد استاذ جامعہ اشرفیہ نے فرمایا ہے۔

(۲۰) **شمس السالک الی شرح موطا مالک**: (جلد چہارم) یہ موطا امام مالک کی عربی شرح ہے، اس کے مصنف حضرت مولانا شمس الہدیٰ مصباحی ہیں۔

(۲۱) **سیرت نبوی میں رحم و کرم کے تابندہ جلوے**: اس کے مصنف حضرت مولانا محمد ساجد رضا مصباحی ہیں۔ ۳۳۲ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مکتبہ صمدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی سے شائع ہوتی ہے۔

(۲۲) **فنِ اسماء الرجال میں مفتی اعظم کی مہارت**: اس کے مصنف حضرت مولانا ناظم علی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ ہیں، ترتیب و تقدیم مولانا سراج احمد مصباحی نے انجام دی ہے۔

(۲۳) **دلیل القارئین شرح ریاض الصالحین**۔ شارح مفتی ازہار احمد امجدی مصباحی، ازہری۔

اسی طرح اور بھی چند کتابیں ہوں گی، جن کی اطلاع ہم کو نہیں مل سکی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام قلم کاروں کو مزید ترقیاں عطا فرمائے۔

صاحبِ سجادہ حضرت عزیز ملت دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے لختِ جگر حضرت مولانا محمد نعیم الدین عزیزی، حضرت مولانا عبد الحق رضوی اور حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی کو خلافت سے سرفراز فرمایا، صلاۃ و سلام اور دعا کے بعد اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

دوسرے دن کا اجلاس عام: ۱۱؍ مارچ ۲۰۱۶ء کو بعد نمازِ عشا دوسرے اجلاس کا آغاز ہوا۔ قرآن عظیم کی تلاوت ہوئی، مختلف اوقات میں شعرائے کرام اور نعت خوانوں نے نعتیں اور منقبتیں پیش کیں۔ ان حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں: مولانا غلام جیلانی مصباحی، جناب محمد باقر املو مبارک پور، حافظ امتیاز احمد کرہانی، مولانا ممتاز احمد مصباحی ویشالی، مولانا عبد الوکیل مصباحی، قاری اشہر عزیزی مبارک پوری اور حضرت قاری محمد اسلام اللہ عزیزی ممبئی۔ اسی طرح مولانا جمیل احمد مصباحی، مولانا ابو سعید مصباحی، مولانا سلیم الدین مصباحی نے اردو، انگریزی اور عربی خطابات فرمائے۔ خطیبِ اہلِ سنت حضرت مولانا منظور احمد عزیزی استاذ جامعہ عربیہ سلطان پور، دار العلوم اسحاقیہ جودھ پور کے فاضل جلیل حضرت مولانا حافظ اللہ بخش اشرفی، باسنی، راجستھان، حضرت مولانا شمشاد احمد کشتی نگر نے معلومات افزا خطابات فرمائے۔

جامعہ اشرفیہ کے صدر المدرسین سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی نے حضرت مفتی محمد نسیم احمد مصباحی کے ذریعہ پیش کیے گئے۔ سوالات کے جوابات عنایت فرمائے۔ اس پروگرام کو بھی بہت پسند کیا جاتا ہے۔ صاحبِ سجادہ حضرت عزیز ملت نئے اعزازی ممبران کی تفصیل بتانے کے لیے کھڑے ہوئے، اس بار بھی خلیفۂ عزیز ملت حضرت مولانا قاری محمد اسلام اللہ عزیزی اپنے احباب سے ۶۴؍ ممبران لے کر آئے، ایک اعزازی ممبر کے لیے گیارہ ہزار ایک سو گیارہ روپے جمع کرنے ہوتے ہیں، اسی طرح مجلسِ شوریٰ جامعہ اشرفیہ کے رکن الحاج اسرار الحسن، لال کنواں، مبارک پور نے چوبیس ممبران اپنے حلقۂ احباب سے پیش کیے اور خود حضرت عزیز ملت نے اپنے احباب کے پیش کردہ بارہ ناموں کا ذکر فرمایا، اس طرح سو ممبران کی تعداد مکمل ہو گئی۔ اسی طرح دیگر اہلِ خیر نے بھی اپنے گراں قدر تعاون پیش کیے۔

۱۱؍ بج کر ۵۵؍ منٹ پر قل شریف کا انعقاد ہوا۔ ہر طرف سناٹا چھا گیا، مقامی اور بیرونی قرا نے قل شریف پڑھا، حضرت صاحبِ سجادہ دامت برکاتہم العالیہ نے شجرہ خوانی فرمائی، خانقاہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشیں حضرت امینِ ملت دامت برکاتہم العالیہ نے دعا فرمائی۔

تین اہم شخصیات کو حافظ ملت ایوارڈ: حسبِ سابق امسال بھی تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور نے حافظ ملت ایوارڈ دینے کا اہتمام کیا، در اصل امسال بھی حسب روایت دو ہی شخصیات تھیں، بعد میں معلوم ہوا کہ مفکر اسلام حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی انڈیا ہی میں موجود ہیں تو صدر

تنظیم حضرت عزیز ملت نے ان سے رابطہ فرمایا اور ان کو بھی ایوارڈ حاصل کرنے کی دعوت دی، حضرت مولانا محمد نعیم الدین عزیزی نے سب سے پہلے شہزادۂ احسن العلما سجادہ نشیں خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ، امینِ ملت حضرت سید محمد امین میاں قادری برکاتی دامت برکاتہم العالیہ کو دعوت دی، حضرت عزیز ملت وغیرہ مشائخ نے روضۂ حافظ ملت کی شبیہ بنام " حافظ ملت ایوارڈ " پیش کی، ایوارڈ کا سپاس نامہ راقم مبارک حسین مصباحی نے پڑھ کر سنایا، مفکر اسلام حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن لندن کو بھی حافظ ملت ایوارڈ پیش کیا گیا، ان کا سپاس نامہ حضرت مولانا عبد الحق رضوی نے پڑھ کر سنایا۔ قاضی شریعت حضرت علامہ قاضی محمد شفیع مبارک پوری علیہ الرحمہ سابق ناظمِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی ذات سے منسوب "حافظِ ملت ایوارڈ" ان کے متعلقین کو پیش کیا گیا، ان کا سپاس نامہ حضرت مولانا مفتی زاہد علی سلامی نے پڑھ کر سنایا۔ یہ تینوں سپاس نامے بھی آپ اسی شمارے میں پڑھیں گے۔

حضرت امینِ ملت دامت برکاتہم العالیہ کو باضابطہ خطاب کے لیے مدعو کیا گیا، حضرت نے اپنی خاندانی عظمت کے پیشِ نظر صلاح و فلاح سے لبریز خطاب فرمایا۔ بعد میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ آج ہم جامعہ اشرفیہ مبارک پور آئے، ضروریات سے فارغ ہو کر بعد نمازِ مغرب کچھ دیر کے لیے دراز ہو گئے، ہمارے بزرگوں کا حکم ہوا کہ آج مولانا محمد نعیم الدین صاحب کو خاندانی خلافت دے دی جائے۔ آپ اسی عشق پرور ماحول میں کرسی سے کھڑے ہو گئے اور اپنا عمامہ شریف کھول کر اپنے ہاتھوں سے نبیرۂ حافظِ ملت حضرت مولانا محمد نعیم الدین عزیزی دام ظلہ العالی کو سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کی خلافت واجازت عطا فرما دی۔ اس وقت عرس میں ایک نورانی اور عرفانی کیف چھایا ہوا تھا۔ ہر طرف نعروں کی آوازیں تھیں، سبحان اللہ اور ماشاء اللہ کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔

حضرت امینِ ملت دامت برکاتہم العالیہ نے برادرِ مکرم حضرت مولانا محمد نعیم الدین عزیزی کو نصیحت فرمائی کہ آپ ہمیشہ مسلکِ اہلِ سنت و جماعت پر قائم رہنا یعنی قرآن اور احادیث نبویہ کے اصول پر گام زن رہنا۔

اب مفکر اسلام حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی کو حضرت مولانا عبید اللہ خاں اعظمی نے اپنے مخصوص لب و لہجہ میں مدعو کیا، حضرت کرسی خطابت پر جلوہ گر ہوئے اور آپ نے اپنے فکر انگیز انداز میں بھرپور خطاب فرمایا۔

حضرت مولانا مفتی زاہد علی سلامی فارغین کی فہرست لے کر مائک پر تشریف لائے اور حسب ذیل ترتیب کے مطابق آپ نے فارغین کے نام پڑھنا شروع کر دیے، اور علما و مشائخ نے فارغین کے سروں پر عمامے شریف سجانا شروع کر دیے۔

۲۰۱۶ء میں فارغ ہونے والے طلبہ کی تفصیلی تعداد:

تعداد فارغین	CLASS	درجہ
15	Ikhtisas Fil Fiqh	اختصاص فی الفقہ
13	Ikhtisas Fil Hadith	اختصاص فی الحدیث
8	Ikhtisas Fil Adab	اختصاص فی الادب
10	Mashq-e-Ifta	مشق افتا
176	Fazilat	فضیلت
26	Hifz	حفظ
115	Molvi & Qari	مولوی و قاری، روایت حفص
183	Alim	عالم
546	**TOTAL**	**کل فارغین**

آخر میں حضرت صاحبِ سجادہ دامت برکاتہم العالیہ نے سامعین و زائرین کا شکریہ ادا کیا، صلاۃ و سلام اور دعا کے بعد عرس حافظِ ملت کی تمام تقریبات اختتام پذیر ہو گئیں۔ ☆☆☆

حافظِ ملت ایوارڈ کے سپاس نامے

سپاس نامہ

بخدمت گل گلزار برکاتیت مرشدِ طریقت امینِ ملت حضرت سید شاہ پروفیسر **محمد امین میاں قادری** برکاتی دامت برکاتہم العالیہ
سجادہ نشیں خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ

بسم اللہ الرحمٰن رحیم. نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ہمارے لیے یہ انتہائی مسرت انگیز زریں گھڑی ہے کہ ہم تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور کی جانب سے شہزادۂ احسن العلما حضرت امین ملت دامت برکاتہم القدسیہ کی عالی جاہ میں "حافظِ ملت ایوارڈ" پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، جلالۃ العلم حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی بانی جامعہ اشرفیہ علیہ الرحمہ کے اکتالیسویں عرس کی آخری نشست ہے۔ خدا کرے کہ خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ سے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا یہ رشتۂ غلامی اسی طرح جاری رہے۔ آمین۔

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضا بول بالے مری سرکاروں کے

آپ مشائخِ اہلِ سنت کی مرکزِ عقیدت خانقاہ برکاتیہ کے چشم و چراغ ہیں، مرشدِ اعظم ہند احسن العلما حضرت سید شاہ محمد حیدر حسن میاں قادری برکاتی سجادہ نشیں خانقاہ برکاتیہ علیہ الرحمہ کے لختِ جگر اور جانشین ہیں۔ دین و روحانیت میں اپنے اسلاف کے سچے وارث ہیں، علم و ادب کے پیکرِ جمیل ہیں۔ آپ کی شہرت و مقبولیت میں جہاں اپنے قدیم خانقاہی فیوض و برکات ہیں، وہیں آپ کے ذاتی اوصاف و محاسن کے اکتسابات بھی ہیں۔

آپ کی ولادت ۱۹۵۳ء میں مارہرہ مطہرہ میں ہوئی، والد گرامی نے بڑے اہتمام سے تسمیہ خوانی کا پروگرام کیا، خانقاہی مدرسہ قاسم العلوم میں آپ نے تعلیم کا آغاز فرمایا، اساتذہ میں تایا جان حضرت سید العلما، حضرت احسن العلما، والدہ ماجدہ، پھوپھیاں اور حافظ عبد الرحمٰن (عرف کلو) وغیرہ ہیں۔ تعلیمی مراحل سے گزر کر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایم اے کیا اور ۱۹۸۱ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ایم اے کا رزلٹ نکلنے سے پہلے ہی آپ کا تقرر لکچرر کی حیثیت سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ہو گیا تھا۔ ۱۹۸۳ء میں سینٹ جانس کالج آگرہ میں بحیثیت استاذ شعبہ اردو تشریف لے گئے، قریب آٹھ برس آپ نے خدمت انجام دی، اس کے بعد آپ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ریڈر اور پھر پروفیسر ہوئے دو ایک برس قبل صدر شعبۂ اردو ہونے کی حیثیت سے چند ماہ خدمت بھی انجام دی مگر مصروفیت کی وجہ سے مستعفی ہو گئے اور اب پروفیسر کی حیثیت سے اسی میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

خانقاہ برکاتیہ کے عظیم شیخ طریقت تاج العلما حضرت سید اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی قدس سرہ نے آپ کو مرید فرما کر خلافت و اجازت کی دولت سے سرفراز فرمایا، حضرت احسن العلما علیہ الرحمہ اور حضرت مفتی اعظم ہند بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی بڑی محبت سے آپ کو خلافتیں عطا فرمائیں۔ آپ خانقاہی فکر و مزاج کے مہرِ تاباں ہیں، مختلف ممالک میں آپ کے مریدین و متوسلین کثیر تعداد میں ہیں اور یہ روحانی سلسلہ مسلسل آگے بڑھ رہا ہے۔ آپ کے خلفا اور خصوصی فیض یافتگان کی تعداد بھی اہم اور قابلِ ذکر ہے۔

آپ کی اولاد و امجاد تین ہیں، دو فرزند ارجمند ہیں اور ایک دختر نیک اختر، بفضلہ تعالیٰ سب دینی، روحانی اور عصری تعلیم یافتہ ہیں اور مزید فضل و کمال کے حصول میں کوشاں ہیں۔ بڑے لختِ جگر حضرت سید شاہ محمد امان میاں قادری برکاتی دام ظلہ العالی آپ کے ولی عہد اور نام ور فرزند اشرفیہ ہیں۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کو اپنے وجود کے ساتھ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ کی سرپرستی حاصل ہے، حضرت امین ملت مجلس شوریٰ جامعہ اشرفیہ کے

سرپرست اور رکن اعلیٰ ہیں۔ آپ کی قیادت اور سرپرستی میں "مجلسِ برکات" قائم ہوئی، اس سے اعدادیہ سے دورۂ حدیث تک کثیر کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور نے حضرت سید العلما اور حضرت احسن العلما کے تعلق سے ضخیم "سیدین نمبر" شائع کیا۔

حضرت امینِ ملت ہر دل عزیز خطیب و واعظ ہیں، آپ یونیورسٹیز میں توسیعی خطبات کے لیے بڑے احترام کے ساتھ مدعو کیے جاتے ہیں، عام طور پر سیمیناروں اور کانفرنسوں کی صدارت فرماتے ہیں، ہند و بیرون ہند کے سیکڑوں مدارس کی سرپرستی فرماتے ہیں، مارہرہ مطہرہ میں اعراس کے مواقع پر آپ کا صوفیانہ قادری اور برکاتی رنگ دیدنی ہوتا ہے، آپ ایک عظیم محقق، بلند پایہ مصنف و مولف ہیں، ترجمہ نگاری اور شعر و ادب میں بھی انوکھا مقام رکھتے ہیں۔ آپ نے مختلف موضوعات پر حیرت انگیز قلمی خدمات انجام دی ہیں۔ ایک درجن سے زیادہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں مشہور رسائل و جرائد میں آپ کے مقالات و مضامین کی اشاعت برسوں سے مسلسل ہو رہی ہے۔ ماشاء اللہ اس وقت بھی اپنے علمی اور روحانی سمندر سے ہیرے اور جواہر لٹا رہے ہیں۔

آپ نے علی گڑھ کی سرزمین پر "البرکات ایجوکیشنل انسٹی ٹیوٹ" کے نام سے ایک وسیع خطۂ زمین پر تعلیمی ادارہ قائم فرمایا، اس ادارے میں جدید و قدیم کا حسین امتزاج ہے اور ہزاروں طلبہ عصری میدانوں میں کامیابیوں کی منزلوں سے گزر چکے ہیں اور یہ سلسلہ آج بھی باں فضل و کمال آگے بڑھ رہا ہے۔ مارہرہ مطہرہ میں دینی اور روحانی تعلیم و تربیت کا سلسلہ تو خود برکاتی مشائخ کی آمد کے بعد سے جاری ہے۔ اس وقت مارہرہ میں "جامعہ احسن البرکات" اور علی گڑھ میں "البرکات اسلامک ریسرچ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ" چل رہا ہے۔ ان دونوں اداروں کا نظم و نسق بھی آپ ہی فرماتے ہیں۔

مقام مسرت ہے کہ جارج ٹاؤن یونیورسٹی امریکہ کے رائل اسلامک اسٹراٹیجک اسٹڈیز نے پوری دنیا میں سب سے بااثر پانچ سو حضرات میں آپ کو روحانی خدمت اور مقبولیت میں ۴۴ رویں مقام پر شمار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل آپ کا سایہ عالمِ اسلام پر دراز فرمائے اور آپ کی سرپرستی میں خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے روحانی بادل جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے کشت زار پر اسی طرح برستے رہیں۔

آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ و التسلیم۔

بموقع عرسِ حافظِ ملت علیہ الرحمہ	از: عبد الحفیظ عفی عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ	صدر تنظیم ابنائے اشرفیہ
۱۱ر مارچ ۲۰۱۶ء بروز جمعہ مبارکہ	و سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

سپاس نامہ

بخدمت اقدس مفکر اسلام حضرت علامہ **محمد قمر الزماں خاں** صاحب اعظمی دام ظلہ العالی جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ

بسم اللہ الرحمٰن رحیم. نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

نہایت مسرت کی بات ہے کہ تنظیم ابنائے اشرفیہ، مبارک پور عرس عزیزی کے مبارک موقع پر مفکرِ اسلام حضرت علامہ مولانا محمد قمر الزماں خان صاحب اعظمی دام ظلہ العالی کی گوناگوں دینی، علمی، دعوتی، اصلاحی اور تنظیمی خدمات کے اعتراف میں "حافظ ملت ایوارڈ" تفویض کر رہی ہے۔

علامہ موصوف کی ولادت ۲۳ر مارچ ۱۹۴۶ء کو جناب عبد الحمید خاں بن عبد الصمد خاں کے گھر خالص پور اعظم گڑھ یو. پی. انڈیا میں ہوئی۔ گھر کا ماحول مذہبی تھا۔ والد محترم اور دادا سبھی لوگ پابند صلاۃ اور حتی الامکان منہیات سے پرہیز کرنے والے لوگ تھے۔ دادا اور پر دادا اردو اور فارسی کے عالم تھے۔ ۱۹۵۸ء میں مولوی کا امتحان الٰہ آباد بورڈ سے پاس کیا اور اسی سال دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخلہ ہوا۔ تین سال میں متوسطات کی تکمیل کے بعد ایک دوسرے ادارے سے عالمیت کی سند ۱۹۶۳ء میں حاصل کی۔ پھر حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے حکم پر ۱۹۶۶ء میں اشرفیہ میں صحیحین کا امتحان دینے کے بعد دستارِ فضیلت سے نوازے گئے۔

۱۹۶۳ء میں تاج دارِ اہلِ سنت حضور مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور ۱۹۷۷ء میں مرشد بر حق سے ملنے کے لیے بریلی شریف حاضر ہوئے۔ بعد ملاقات خلافت و اجازت سے نوازے گئے۔ تکمیل تعلیم کے بعد اولاً حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ نے روناہی ضلع فیض آباد بھیجا، اس وقت وہاں ایک ابتدائی مدرسہ تھا۔ آپ نے واقعی تعلیم و تعلم کے لحاظ سے ایک بنجر زمین کو اپنی محنت شاقہ اور انتھک جد و جہد کا نذرانہ دے کر علم و آگہی کا ایک سدا بہار گلستاں بنا دیا۔ آج وہی ادارہ الجامعۃ الاسلامیہ روناہی سے معروف ہے۔ جامعہ اسلامیہ روناہی کا شمار صرف یوپی نہیں بلکہ ہندوستان کی گنی چنی چند مشہور سنی درس گاہوں میں ہوتا ہے۔ تقریباً دس سال آپ نے وہاں قیام فرمایا۔

مبلغِ اسلام علامہ شاہ احمد نورانی اور قائدِ اہلِ سنت علامہ ارشد القادری علیہما الرحمہ نے مل کر مکہ مکرمہ میں "ورلڈ اسلامک مشن" کی بنیاد ۱۹۷۲ء میں ڈالی۔ ورلڈ اسلامک مشن کے قیام کے بعد اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ مشن کے ہمہ جہت مقاصد کے لیے کسی ایسے شخص کا انتخاب کیا جائے جو تحریر و تقریر اور جدید و قدیم علوم کے جواہر سے مرصع اور یورپ میں آباد نوجوانوں کی ذہنی و فکری تربیت کے لیے پر تاثیر جاہ و جلال کا حامل ہو۔ اس کے لیے نباضِ وقت، قائدِ اہلِ سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی جوہر شناس نظر مفکر اسلام علامہ اعظمی صاحب پر گئی اور علامہ اعظمی ۱۷ر اگست ۱۹۷۴ء میں ورلڈ اسلامک مشن کی دعوت پر برطانیہ تشریف لے گئے۔

یہ اس دور کی بات ہے جب علامہ اعظمی کی خطابت کا سورج ہندوستان کے افق پر اپنی جلوہ سامانیاں بکھیر رہا تھا۔ برصغیر ہند کا شاید ہی کوئی ایسا گوشہ رہا ہو جہاں ان کی فکر انگیز خطابت کا جادو سر چڑھ کر نہ بول رہا ہو۔ کشورِ دل کو مسخر کر لینے والی ان کی آواز کا طنطنہ پورے ملک کے طول و عرض میں پھیلا ہوا تھا۔ درد و اثر کی صوتی لہریں تو علامہ اعظمی کی آواز کے دوش پر ہی رقص کرتی ہیں۔ علامہ اعظمی کے برطانیہ تشریف لے جاتے ہی دینی و ملی اور مسلکی حوالے سے فتوحات کے ایک نئے سلسلے کا آغاز ہو گیا۔ ورلڈ اسلامک مشن کے اغراض و مقاصد کو عملی جامہ پہنانے میں علامہ اعظمی کی تقریری و تبلیغی دوروں نے عوام و خواص میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی۔

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں	کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

علامہ اعظمی خطاب برائے خطاب کے نہیں بلکہ خطاب برائے تعمیر کے قائل ہیں۔ چناں چہ ان کے خطبات ہوا کے دوش پر اڑ نہیں گئے، بلکہ وہ ہندوستان اور یورپ و امریکہ میں پھیلے ہوئے درجنوں اداروں اور اسلامی مراکز کی شکل میں موجود ہیں۔ عصر حاضر میں علامہ اعظمی ان عبقری شخصیات میں سے ہیں جو گذشتہ نصف صدی سے اپنی بلند قامتی، سحر انگیزی اور جذبۂ اخلاص کے باعث شرق و غرب میں اہلِ سنت کی آواز بنے ہوئے ہیں۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے ممتاز و قابلِ فخر فرزند، حافظِ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے چہیتے حضور مفتیِ اعظم ہند قدس سرہ کے جاں نثار مرید و خلیفہ اور سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کے معتمد عالم و بلند پایہ مفکر و قائد اور بے نظیر داعی و خطیب، جن کا وجود اکابر و متقدمین کی یادگار اور جن کے نقوشِ قدم اخلاف و متاخرین کے لیے سنگ میل اور فانوس ہدایت۔

یہ سب برکتیں ہیں مبارک پور کی سرزمین پر لیٹے ہوئے اس ابو الفیض کی جس کے قدموں تلے آ کر نہ جانے کتنے بے وقعت ذرے ستاروں کی طرح تاباں و درخشاں ہو گئے۔ حضور حافظ ملت آپ کی عظمت کو سلام۔

بلا شبہہ علامہ اعظمی کی علمی، دینی، ملی، فکری اور تبلیغی خدمات کا دائرہ ایشیا سے یورپ اور افریقہ و امریکہ تک پھیلا ہوا ہے اور وہ دینی خدمات سے دنیا کے تقریباً تمام برِ اعظموں کو فیض یاب کر رہے ہیں۔ عالمی سطح پر اتنا قد آور ہندوستانی عالمِ دین اور کوئی دوسرا اِس وقت نظر نہیں آ رہا ہے۔ رب کائنات اپنے حبیب پاک صاحبِ لولاک ﷺ کے صدقے و طفیل میں اہلِ سنت کے اس تابندہ "قمر" کو مزید تابانی عطا فرماتے ہوئے عمرِ خضر سے نوازے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری	گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

بموقع عرسِ حافظِ ملت علیہ الرحمہ — از: عبد الحفیظ عفی عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ — صدر تنظیم ابنائے اشرفیہ
۱۱ر مارچ ۲۰۱۶ء بروز جمعہ مبارکہ — و سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

سپاس نامہ

بخدمت عالیہ: قاضیِ شریعت حضرت مولانا الحاج **محمد شفیع اعظمی** علیہ الرحمۃ، سابق ناظم اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن رحیم. نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

قاضی شریعت حضرت مولانا الحاج محمد شفیع اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان جماعت اہل سنت کے ایک تقوی شعار، پاکیزہ صفات عالم دین ہونے کے ساتھ زبردست تعلیمی، تحریری اور انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے، سادگی، منکسر المزاجی، وسعت فکر و خیال، ہمت و اخلاص، ہم دردی و غم گساری وہ نمایاں اوصاف ہیں جو اپنے عہد میں آپ کو ممتاز کرتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد شفیع اعظمی علیہ الرحمہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء کو قصبہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے، والد کا نام ولی محمد تھا۔ ابتدائی تعلیم محلہ کے ایک حافظ صاحب سے حاصل کی پھر ۱۳۵۵ھ میں دار العلوم اشرفیہ میں داخلہ لیا جس کا نام اس وقت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم تھا جہاں فارسی اور ابتدائی عربی تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء میں آپ دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف چلے گئے، وہاں محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد علیہ الرحمہ و دیگر ممتاز علما و ماہرین فن سے اکتساب فیض کیا۔

ایک سال بعد ۱۳۶۰ھ میں دوبارہ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور چلے آئے اور ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء میں منقولات و معقولات کی تکمیل کر کے دستار فضیلت حاصل کی۔ یہاں آپ کے اساتذہ میں حضور حافظ ملت، حضرت مولانا محمد سلیمان بھاگل پوری، علامہ عبد المصطفیٰ ازہری، محدث ثناء اللہ امجدی، مولانا شمس الحق گجہڑوی، علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی علیہم الرحمۃ والرضوان تھے۔

فراغت کے بعد ابتدا میں مدرسہ انوار العلوم تلسی پور، پھر مدرسہ شمس العلوم گھوسی میں ایک مدت تک تدریسی خدمت انجام دیتے رہے۔ ۱۳۷۷/۱۹۵۸ء میں دار العلوم اشرفیہ میں بحیثیت مدرس آپ کا تقرر عمل میں آیا۔ ۲/ جون ۱۹۷۱ء میں نائب ناظم اور ناظم تعلیمات کے طور پر انتخاب ہوا، اگست ۱۹۷۸ء تک اسی عہدے پر رہ کر اپنی منصبی ذمہ داریاں بحسن و خوبی نبھاتے رہے، اس کے ایک ماہ بعد ہی باضابطہ ناظم اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہوئے اور ۱۹۸۶ء تک انتظام و انصرام کی تمام تر خدمات انجام دیتے رہے۔ فروری ۱۹۸۶ء کو علما و مشائخ کی موجودگی میں آپ کو مبارک پور و اطراف کے قاضیِ شرع کا منصب تفویض کیا گیا جس کے بعد مسلمانوں کے دینی و مذہبی مسائل کو حل فرماتے رہے۔

تعلیم کا سلسلہ آپ نے کبھی ترک نہیں کیا اخیر حیات تک تکلفات سے دور رہ کر تدریسی مشغلہ باقی رکھا، اسی لیے پورے درس نظامی پر آپ کو عبور تھا، عربی زبان و ادب اور علم میراث و فرائض تو آپ کے خاص فن تھے۔ ملک و بیرون ملک ہزاروں کی تعداد میں آپ کے تلامذہ پھیلے ہوئے ہیں۔

تمام تر مصروفیات کے باوجود آپ کی قلمی سرگرمیاں بھی جاری رہیں، متعدّد رسائل و جرائد میں آپ کی نگارشات شائع ہو چکی ہیں۔ آپ کی تصنیف "اَلْوَسِیْلَۃُ السَّنِیَّۃُ اِلٰی حَضْرَۃِ رَبِّ الْبَرِیَّۃِ" کافی مقبول ہوئی۔ فتاوی رضویہ کی طباعت و اشاعت میں بھی آپ کا سرگرم حصہ رہا۔

الجامعۃ الاشرفیہ کی پوری منصوبہ بندی میں حافظ ملت علیہ الرحمہ کے دست و بازو بنے رہے برکاتی ہاسٹل کی پہلی منزل، نسواں اسکول کی تعمیرِ جدید، اشرفیہ مارکیٹ کی شاندار دو منزلہ عمارت، اشرفیہ جونیر ہائی اسکول ان کے عہد نظامت کی یادگار ہیں۔

حضور مفتی اعظم ہند اور حضور حافظ ملت علیہما الرحمۃ والرضوان سے عشق و وارفتگی کی حد تک عقیدت تھی۔ ۳/ ذی قعدہ ۱۳۷۸ھ کو حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔ ۷/ جمادی الآخرہ ۱۴۱۱ھ/ ۲۵/ دسمبر ۱۹۹۰ء کو علم و عرفان کا یہ سورج غروب ہوا۔

تنظیم ابنائے اشرفیہ حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کی بارگاہ میں حافظ ملت ایوارڈ پیش کرنے میں اپنی سعادت سمجھتی ہے۔

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہرباری کرے — حشر تک شانِ کریمی نازبرداری کرے

بموقع عرسِ حافظِ ملت علیہ الرحمہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
۱۱/ مارچ ۲۰۱۶ء بروز جمعہ مبارکہ

از: عبد الحفیظ عفی عنہ
صدر تنظیم ابنائے اشرفیہ
و سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

مغربی ممالک میں توہینِ رسالت یا توہینِ مسیح کا قانون

پاکستانی توہینِ رسالت قانون کے تناظر میں

رضوی سلیم شہزاد مالیگاوں

یورپی ممالک اور اس کے اتحادی مغربی ممالک ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ پاکستان میں قانون توہین رسالت کا خاتمہ ہوجائے تاکہ وہ پاکستان میں بھی نعوذ باللہ من ذالک سید عالم ﷺ کی ناموس پر ضرب لگا سکیں. اگر وہ اس قانون کو ختم کرانا چاہتے ہیں تو یہ ان کی منافقت ہے. کیونکہ امریکہ اور یورپ میں توہین مسیح کا قانون موجود ہے، امریکہ کی بعض ریاستوں میں توہین مسیح کی سزا موت ہے۔ وہاں پر اس قانون اور اس کی سزا کے خلاف کوئی آواز بلند نہیں کرسکتا۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ بھی مجرم ٹھہرتا ہے۔ اسی طرح برطانیہ میں بھی توہین مسیح پر قانون ہے اور اس کی سزا عمر قید ہے کیونکہ برطانیہ میں سزائے موت ختم ہو چکی ہے۔ سب سے بڑی سزا عمر قید ہی ہے۔ توہین مسیح تو بہت بڑا جرم ہے۔ وہاں پر ان معاملات میں یہ لوگ اس قدر حساس ہیں کہ مدر ٹریسا پر ایک فلم بنی جس میں وہ وجد میں آکر حضرت مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) کی شبیہ کے بوسے لیتی ہے تو اس فلم کی نمائش پر فوراً ہی پابندی لگادی گئی۔ فلم کا معاملہ ہاؤس آف لارڈ میں گیا۔ وہاں اس کی توثیق ہوئی اور وہاں یہ بھی کہا گیا کہ اگر آپ مدر ٹریسا کے حوالے سے بات کررہے ہیں تو آپ توہین مسیح کے قانون کو وسیع کریں اور اسے تمام انبیائے کرام کے لیے رکھیں۔ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے نہیں تو جواب یہ دیا گیا کہ ہم ایسا نہیں کرسکتے۔ اگر اسلام پر جارحانہ حملہ ہوتا ہے تو ہمارے نزدیک وہ حملہ جائز ہے کیونکہ اسلام ہمارا مذہب نہیں ہے۔

آپ دیکھیے کہ برطانیہ خود کو ایک سیکولر ملک نہیں کہتا بلکہ وہ اپنی شناخت ایک مسیحی ملک کے طور پر رکھتا ہے اس کے پرچم پر صلیب آویزاں ہے۔ فلم بنانے والے یورپی یونین میں گئے۔ وہاں انہیں اجازت نہیں ملی۔ یورپ کی انسانی حقوق کی عدالتوں نے اس احتجاج کو خارج کردیا اور فلم پر پابندی برقرار رکھی کہ وہ ان معاملات میں دخل نہیں دیں گے کیونکہ یہ برطانیہ کا قانون ہے اور وہ کسی ملک کو اپنا قانون تبدیل کرنے کے لیے نہیں کہہ سکتے لیکن وہ مسلمانوں سے کہتے رہتے ہیں۔ یہ تو ان کا اپنا اصل ہے کہ وہ کتنے مذہبی ہیں اور اپنے معاملات میں کس قدر سخت گیر ہیں، لیکن مسلمانوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اپنے نبی ﷺ کی حرمت وناموس کی حفاظت کا حق نہیں دینا چاہتے۔

یورپی ممالک اور قانون توہین انبیا:

پاپائے روم یا چرچ کے اقتدار میں آنے سے قبل یورپ میں رومن لاء (Roman Law) کی عملداری تھی۔ چونکہ انجیل میں کوئی قانون احکام موجود نہ تھے لیکن جب کلیسا نے اسٹیٹ (State) پر غلبہ واقتدار حاصل کرلیا تو پوپ کے منہ سے نکلے ہوئے ہر حکم کو قانون کی بالادستی حاصل ہوگئی۔ تورات کے برعکس انجیل صرف پندونصائح کا مجموعہ تھا۔ اس لیے یورپ اور ایشیا میں جہاں جہاں عیسائی حکومتیں قائم ہوئیں، وہاں کاروبارِ حکومت چلانے کے لیے اہل کلیسا کو رومی قانون اور یہودیوں کے تالمودی قانون ہی پر انحصار کرنا پڑا۔ موسوی قانون کے تحت قبل مسیح علیہ السلام کے انبیاء کی اہانت اور تورات کی بے حرمتی کی سزا سنگسار مقرر تھی۔ رومن امپائر کے شہنشاہ جسٹینین (Justinian) کا دور حکومت طلوع اسلام سے چند سال قبل ۵۲۸ تا ۵۶۵ صدی عیسوی پر محیط ہے۔ رومن لاء کی تدوین کا سہرا ابھی اسی کے سر ہے اور اس کو عدل وانصاف کا مظہر بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس نے جب دین مسیحی قبول کرلیا تو قانون موسوی کو منسوخ کرکے انبیائے بنی اسرائیل علیہم السلام کی بجائے صرف حضرت مسیح علیہ السلام کی توہین اور انجیل کی تعلیمات سے انحراف کی سزا سزائے موت مقرر کی. اس کے دور سے قانون توہین مسیح سارے یورپ کی سلطنتوں کا قانون بن گیا۔ روس اور اسکاٹ لینڈ میں اٹھارویں صدی تک اس جرم کی سزا سزائے موت ہی دی جاتی رہی ہے۔

روس میں اشتراکی امپیریل ازم کے سربراہ اسٹالن کی توہین پر بھی سزائے موت:

روس میں بالشویک انقلاب کے بعد جب کمیونسٹ حکومت برسر اقتدار آئی تو سب سے پہلے اس نے دین و مذہب کو سیاست اور ریاست سے کلیتاً خارج کردیا۔ اس کے بعد بھی وہاں سزائے موت برقرار رہی لیکن اہانت مسیح کے جرم کی پاداش میں نہیں بلکہ مسیح کی جگہ

اشتراکی امپریلزم کے سربراہ نے لے لی۔ اسٹالن جو رشین امپائر کا سربراہ بن بیٹھا تھا، اس کی اہانت تو بڑی دور کی بات تھی، اس سے اختلاف رائے رکھنا بھی ممالک محروسہ روس کا سنگین جرم بن گیا۔ ایسے سر پھرے لوگوں کے یا تو سر کچل دیئے جاتے تھے جس کی مثال لینن کے ساتھی ٹراٹسکی کی خونچکاں موت کی صورت میں موجود ہے۔ جو اپنی جان بچانے کی خاطر روس سے بھاگ کر امریکہ میں پناہ گزیں تھا یا پھر ایسے مجرموں کو سائبیریا کے بیگار کیمپوں میں موت کے حوالے کردیا جاتا تھا۔ ایسی اذیت ناک سزاؤں اور موت کی گرم بازاری نے زارِ روس کے دور سیاہ کی عقوبتوں کو بھی بھلا دیا تھا.

برطانیہ کے بلاس فیمی ایکٹ کی وضاحت:

برطانیہ میں بھی اگرچہ توہین مسیح کی جسمانی سزائے موت موقوف کردی گئی تھی، لیکن وہاں بھی اس جرم کی سزا کا قانون کامن لاء کے علاوہ بلاس فیمی ایکٹ (Blasphemy Act) کی صورت میں تبدیل ہوگیا۔ مناسب ہو گا کہ یہاں بلاس فیمی کے معنی کے ساتھ اس کی تعریف (Definaton) کی بھی وضاحت کردی جائے تاکہ اس کا صحیح مفہوم ذہن نشین ہوسکے۔

بلاس فیمی لاطینی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی اہانت کے ہیں۔ لاطینی اصطلاح میں خدا کے وجود اور دین مسیح کی صداقت سے انکار یا نجات دہندہء عالم یسوع مسیح کی شان میں اہانت اور انجیل مقدس کی تحقیر اور تضحیک کو بلاس فیمو کہا جاتا ہے۔ انگریزی زبان کی مستند قانونی لغت بلیکز لا ڈکشنری (Black's Law Dictionary) کی رو سے بلاس فیمی ایسی تحریر یا تقریر ہے جو خدا، یسوع مسیح، انجیل یا دعائے عام کے خلاف ہو اور جس سے انسانی جذبات مجروح ہوں یا اس کے ذریعہ قانون کے تحت قائم شدہ چرچ کے خلاف جذبات کو مشتعل کیا جائے اور اس سے بد کرداری کو فروغ حاصل ہو۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں بلاس فیمی کی تعریف ذرا کچھ مختلف ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ مسیحی مذہب کی رو سے بلاس فیمی گناہ ہے اور علمائے اخلاقیات بھی اس کی تائید کرتے ہیں جبکہ اسلام میں نہ صرف خدا کی شان میں بلکہ پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخی بھی بلاس فیمی کی تعریف میں آتی ہے۔

(انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، ج۲، ص ۴۷)

برطانیہ میں توہین مسیح (Blasphemy) کامن لاء کے تحت قابل تعزیر جرم:

جی ہاں! برطانیہ میں بلاس فیمی لاء کے تحت توہینِ مسیح قابلِ تعزیر جرم قرار دیا گیا ہے. جبکہ بلاس فیمی ایکٹ میں مجرم کے لیے جسمانی موت کی بجائے شہری موت (Civil Death) کی سزا مقرر ہے جس کی رو سے حکومت ایسے مجرم کے سارے شہری حقوق سلب کرنے کی مجاز ہے۔ بلاس فیمی اگر تقریری ہو تو دو معتبر گواہوں کی شہادت لازمی ہوگی اور اگر تحریری ہو تو ایسی تحریر ثبوتِ جرم میں پیش کی جائے گی۔ معروف جج پولاک کے خیال میں بلاس فیمی ایکٹ کے تحت کسی شخص کو تادیبی موت (Civil Death) کی سزا نہیں دی گئی مگر برطانیہ ہی کے ایک دوسرے ممتاز جج برام ویل نے صحیح طور پر جج پولاک (Pollock) کی تردید کی ہے۔ ہم برام ویل جج کی تائید میں ڈینس لی مون (Denis Lemon) ایڈیٹر گے نیوز (Gay News) کے ایک اہم مقدمہ کا حوالہ دیں گے۔ لی مون پر ۱۹۷۸ء میں توہین مسیح کے الزام میں برطانیہ کی عدالت میں کیس دائر ہوا۔ ایڈیٹر لی مون پر الزام یہ تھا کہ اس نے حضرت مسیح پر ایک مزاحیہ نظم لکھی ہے جس میں اس نے ان کو ہم جنس پرستی کی طرف مائل کھلایا تھا۔ اس مقدمہ کی اہم ترین بات یہ ہے کہ صفائی کے وکلا نے ملزم کی طرف سے دفاع میں یہ نکتہ اٹھایا کہ ملزم نے بلاس فیمی کا ارتکاب ارادتاً (Wilfully) یا قصداً (Motively) نہیں کیا تھا۔ یہ بات اس نے بطور تفریح کہی تھی، جس سے اہانت یا توہین مقصود نہیں۔

یہ وہی عذر ہے جو گستاخان رسالت شروع سے کرتے چلے آئے ہیں۔ جس کا ذکر کلام الٰہی میں آج سے چودہ سو سال قبل ہی کردیا گیا تھا اور اسی قرآن نے انہیں یہ بھی بتایا تھا کہ یہ عذر قابل قبول نہیں ہو گا۔ دیکھئے قرآن حکیم کا یہ ارشاد: قل اباالله وایاته ورسوله كنتم تستهزؤن لا تعتذروا قد كفرتم بعد ايمانكم (التوبہ ۶۵) "تم اللہ کے ساتھ، اس کی آیات کے ساتھ اور اسکے رسول ﷺ کے ساتھ استہزا (ہنسی مذاق) کرتے ہو۔ تمھارا کوئی عذر نہیں سنا جائے گا، بلاشبہ تم نے ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کیا ہے۔"

لی مون کے مقدمہ میں صفائی کے وکلاء کا تمام تر زور اسی نکتہ پر تھا کہ گے نیوز میں ملزم نے مسیح کے بارے میں ایسی بات تفریحاً یا دل لگی کے طور پر کی ہے جس میں اس کی نیت یا ارادہ کا کوئی دخل نہیں ہے اور نہ ہی یہ بات بدنیتی سے کہی گئی ہے. لیکن برطانوی عدالت نے اقرار کیا کہ بلاس فیمی یا توہین مسیح کے کیس میں "نیت" یا "ارادہ" غیر متعلق ہیں. کیونکہ جو بات

جناب مسیح کے بارے میں کہی گئی ہے اس کا براہ راست تعلق ایک واضح حقیقت سے ہے جس کی وجہ سے پیروان مسیح کے جذبات مشتعل ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ ہر وہ بات اور ہر وہ چیز جو خدا، یسوع مسیح اور بائبل کی تضحیک، استہزا، توہین اور تنقیص کا باعث ہو، وہ بلاس فیمی یا قانون توہین مسیح کے تحت لائقِ تعزیر جرم ہے۔ اس لیے لی مون کو بلاس فیمی لا کے تحت جیوری نے سزا سنائی۔ فیصلہ میں مزید کہا گیا ہے کہ برطانیہ میں قانون تو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ مذہب کا انکار کر دیا جائے وہ قابل گرفت جرم نہیں لیکن مذہب کے خلاف ناشائستہ اور اشتعال انگیز زبان استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

اس طرح اہانت رسول ﷺ کے بارے میں قرآن مجید کی یہ وعید کہ "استہزا کرنے والوں کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا" اسے بیسوی صدی میں خود منکرین ہی کے عمل سے دکھلا دیا گیا۔ فیصلہ کا اقتباس برطانیہ کے کثیر الاشاعت روزنامہ THE TIMES of LONDON میں ۲۷ اگست ۱۹۹۸ء کو ڈیوڈ ہالو (David Hollow) نے رپورٹ کیا ہے جو درج ذیل ہے۔

: BLASPHEMY AND BIGOTORY

"Sincerity" and an "atmosphere of reverence" are not a sufficient defence against blasphemy. The 1978 conviction of Denis Lemon, editor of "Gay News" for publishing a poem suggesting that Jesus was a promiscous homosexual established that the intention, or motive, of an artist is irrelevant. It is a question of fact: Is Christian religious feeling "outraged and insulted, "

The law is clear: "Every publication is said to be blasphemous which contains any contemptuous, reviling, scurrilous or ludicrous matter relating to God, Jesus Christ, or the Bible" The law allow you to attack subvert or deny the Christain religion, but not in a way that is "indecent" or "intemperate"

توہین مسیح کے قانون پر امریکی نظریہ:

[امریکہ اور اس کی اکثر سیکولر ریاستوں میں قانون توہین مسیح کو امریکی آئین کے بنیادی انسانی حقوق کے منافی نہیں قرار دیا گیا۔ اس سلسلہ میں امریکہ کی سپریم کورٹ نے بڑے دور رس فیصلے دیئے ہیں جو ملکِ پاکستان کے معروضی حالات میں نہایت اہم ہیں۔ یہاں ہم امریکی سپریم کورٹ کے ایک معرکۃ الآراء فیصلے اسٹیٹ بنام موکس (State Vs. Mokas) سے ضروری اقتباس پیش کریں گے جس میں آزادی مذہب اور آزادی پریس کے بنیادی حقوق سے بحث کرتے ہوئے فاضل عدالت عظمی نے جو متفقہ فیصلہ دیا ہے اس کی تلخیص حسب ذیل ہے۔ ”اگرچہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں چرچ اور اسٹیٹ ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں اور ان میں باہمی کوئی ربط اور تعلق نہیں، لیکن اسلام، بدھ مت اور دیگر مذاہب کے مقابلہ میں پیروان مسیح کی تعداد زیادہ ہے۔ حکومت کی زمام کار بھی ان ہی کے ہاتھوں میں ہونے کی وجہ سے ہر شعبہ زندگی میں ان کا اثر و رسوخ ہے اور عیسائیت ریاست اور ملک کی غالب اکثریت کا مذہب ہے۔“ فاضل عدالت نے اس کی مزید توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے ”صدر امریکہ کی تقریب حلف وفاداری، اس کے علاوہ کانگریس اور مقننہ کی افتتاحی تقاریب اور عدالتوں کی کارروائی شہادت کا انجیل مقدس پر حلف سے آغاز سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ مملکت کے تکون یعنی عدلیہ، مقننہ اور انتظامیہ کا بھی مذہب سے یک گونہ بالواسطہ تعلق ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنے ریفرنس کا جواب دیتے ہوئے حتمی طور پر یہ قرار دیا ہے کہ آزادی مذہب اور آزادی پریس کے آئینی تحفظات اور بنیادی حقوق، توہین مسیح کے قانون اور اس کی بابت قانون سازی کی راہ میں مزاحم نہیں ہیں۔] یورپ کے قانون داں بلاس فیمی کے قانون کی توجیہ کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ اس قانون کا محرک بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب پر حملہ دراصل ریاست پر حملے کے مترادف ہے۔ ان کی رائے میں اسی وجہ سے اکثر سیکولر ریاستوں میں بھی بلاس فیمی کو قابل تعزیر جرم بنادیا گیا۔ اس منطقی توجیہ اور امریکہ کی سپریم کورٹ کے ناقابل تردید دلائل کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ مملکت خداداد پاکستان، جسے غلامان محمد عربی ﷺ نے علیحدہ قومیت کی بنیاد پر حاصل کیا تھا، جہاں ریاست کا سرکاری مذہب اسلام ہے، جہاں پارلیمنٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ قرآن اور سنت رسول ﷺ کے خلاف کوئی فیصلہ صادر نہ کرے اور نہ ہی انتظامیہ کو شرع پیغمبر ﷺ سے سر مو اختلاف کی جسارت ہوسکتی ہے۔ ایسے میں کیا کسی اسلامی جمہوریہ میں ہر کسی کو یہ کھلی اجازت ہے کہ وہ مسلمانوں کے آقا و مولیٰ سرکار ختمی مرتبت ﷺ جن کے نام و ناموس پر مسلمان اپنی جان ومال....... (باقی، ص:۲۶ پر)

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

مسجد کی رقم ذاتی مصرف میں خرچ کرنے کا حکم

(۱) کسی مسجد کا ذاتی بینک اکاؤنٹ کسی بینک میں نہیں ہے، اس مسجد کا خزانچی مسجد کے چندہ کی رقم خود اپنے گھر رکھتا ہے، مسجد کے خزانچی کا کئی بینکوں میں خود کا ذاتی اکاؤنٹ ہے، مسجد کا خزانچی اپنے ذاتی خرچ کے لیے اپنے بینک اکاؤنٹ سے روپیہ نکالنے کے بجائے پاس میں رکھے مسجد کے چندہ کی رقم کو صرف کرلے اور اس کے عوض اتنی ہی رقم اپنے بینک اکاؤنٹ میں محفوظ رکھے تو مسجد کے خزانچی کا یہ عمل شرعاً کیسا ہے؟

(۲) ولی محمد نام کا ایک فاسق شخص مسجد کے خزانچی کے اس عمل کو حرام قرار دیتے ہوئے مسجد کے خزانچی کو اذان و تکبیر سے روک دے تو اس کا شرعی جواز کیا ہے؟ براہ کرم واضح فرمانے کی زحمت گوارا کریں۔ عین نوازش ہوگی۔

الجواب

(۱) مسجد کے خزانچی کا یہ عمل شرعاً ناجائز و گناہ ہے کہ یہ امانت میں خیانت ہے، اس کے ذاتی اکاؤنٹ میں جو روپے ہیں وہ اس کی ملک ہیں، وہ مسجد کے روپے نہیں۔ فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

في فتاویٰ أبي الليث رحمه الله تعالىٰ رجل جمع من الناس ما لا لينفقه في بناء المسجد فأنفق من تلك الدراهم في حاجته ثم رد بدلها في نفقة المسجد لا يسعه أن يفعل ذلك فإن فعل فإن عرف صاحب ذلك المال ردعليه أو ساله تجديد الإذن فيه، و إن لم يعرف صاحب المال استأذن الحاكم فيما يستعمله وإن تعذر عليه ذلك رجوت له في الإستحسان أن ينفق بدل ذلك من ماله علی المسجد فيجوز لكن هذا واستئمار الحاكم يجب أن يكون في رفع الوبال أما الضمان فواجب كذا في الذخيرة. (ج:۲، ص:٤٨، كتاب الوقف، الباب الثالث عشر)

ردالمحتار میں ہے:

الوكيل بدفع الزكاة إذا أمسك دراهم المؤكل ودفع من ماله ليرجع ببدلها في دراهم المؤكل صح، بخلاف ما إذا أنفقها أولا علی نفسه مثلاً ، ثم دفع من ماله فهو متبوع. (رد المحتار على الدر المختار، ص:۱۸۹، ج:۳، أوائل كتاب الزكاة)

اس کی ترجمانی بہار شریعت میں ان الفاظ میں ہے: "زکاۃ دینے والے نے وکیل کو زکاۃ کا روپیہ دیا، وکیل نے اسے رکھ لیا اور اپنا روپیہ زکاۃ میں دے دیا تو جائز ہے، اگر یہ نیت ہو کہ اس کے عوض موکل کا روپیہ لے لے گا اور اگر وکیل نے پہلے اس روپیہ کو خرچ کرڈالا، بعد کو اپنا روپیہ زکاۃ میں دیا تو زکاۃ ادا نہ ہوئی بلکہ یہ تبرع ہے اور موکل کو تاوان دے گا۔" (بہار شریعت، ص:۲۳، ج:۱، حصہ پنجم، زکاۃ کا بیان)

خزانچی نے اپنے پاس سے عوض میں جو روپے دیے وہ روپے عوض کے نہیں بلکہ اس کی عرف سے ابتداءً چندہ ہیں، اور چندہ دینے والوں کے جو روپے اس نے اپنے نجی امور میں صرف کر لیے وہ اس کے ذمہ دَین ہیں، لہٰذا اب تک اس نے جتنے چندہ دینے والوں کے روپے اپنے نجی امور میں خرچ کیے، ان سب کو ان کے چندہ کی مقدار روپے تاوان میں ادا کرے یا وہ اجازت دیں تو یہ ان کی طرف سے اتنے روپے مسجد میں جمع کرے اور اگر اتنی وسعت نہ ہو تو ان سے معاف کرائے ورنہ قیامت کے دن ان کا حق ان کو ادا کرنا پڑے گا۔

خزانچی کو چاہیے کہ مسجد کے روپے جمع کرنے کے لیے بینک میں ایک مشترکہ اکاؤنٹ کھول لے اور چندہ کے روپے اسی میں جمع کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) خزانچی امانت میں مسلسل خیانت کرنے کی وجہ سے فاسق معلن ہے اور فاسق معلن کی اذان مکروہ ہے، یہاں تک حکم ہے کہ وہ اگر اذان دے دے تو اذان دہرائی جائے۔

در مختار میں ہے:

و یعاد أذان جنب ....وفاسق لعدم قبول قوله فی الدیانات. (الدر المختار، مع رد المحتار، ص:٦٠، ٦١، ج:٢، باب الأذان)

حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن"

ترجمہ: امام ذمہ دار ہے اور مؤذن امین ہے۔

(أبو داؤد و ترمذی و ابن حبان بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و مسند أحمد بن حنبل بروایت أبو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) واللہ تعالیٰ أعلم.

اولاد میں مال کی تقسیم کا مسئلہ

ایک ماں کی آٹھ اولادیں ہیں جن میں سات بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ والدین انتقال کر چکے ہیں، سب کی شادیاں ہوگئی ہیں، بیٹی کی طلاق ہوگئی اور باپ کے گھر رہتی ہے، میراث کا بٹوارہ ہونا ہے، بیٹی کا کہنا ہے کہ میں بھائیوں سے بڑھ چڑھ کر کام کرتی ہوں، از روے شرع بتایا جائے کہ تمام ورثہ کو کتنا کتنا حق و حصہ ملے گا؟

کیا بہن کے کہنے کے مطابق اس کو زیادہ حق و حصہ ملے گا؟

الجواب

بھائی اور بہن کا حصہ میت کی اولاد ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمادیا ہے۔ چناں چہ ارشادِ ربانی ہے:

یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ ٭ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ. (النساء:١١)

اللہ تمھاری اولاد (جو باہم بھائی بہن ہیں) کے بارے میں تاکید کرتا ہے کہ لڑکے کا حصہ لڑکی کے دو نہ ہے۔

یہ اللہ کا فرمان ہے جو بندوں کا خالق ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ کون کتنے حصے کا حق دار ہے، اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی، لہٰذا بہن اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے حصے پر قناعت کرے اور ہرگز ہرگز اس سے زیادہ لینے کی کوشش نہ کرے اور اپنے حق سے زیادہ کا مطالبہ کرنا ناجائز و گناہ ہے کہ اس میں دوسرے حصہ داروں کی حق تلفی ہے۔ قرآن حکیم کے مقررہ ضابطے کے پیش نظر میت کا ترکہ صورت مسئولہ میں بعد تقدیم ما تقدم علی الارث پندرہ سہام پر تقسیم کر کے دو سہام ہر بھائی کو دیے جائیں اور ایک سہم بہن کو۔ ہاں اگر بھائی اپنی رضا و خوشی سے بہن کو اس کے حصے سے کچھ زیادہ دیں تو یہ اچھا ہے۔ وہ ثواب کے حق دار ہوں گے، مگر ان سے اس کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ ارشاد باری ہے: "مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ "(توبہ، الآیۃ:٩١)

واللہ تعالیٰ اعلم

اوجھڑی، پچونی اور چستہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

اوجھڑی، پچونی، چستہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بالتفصیل قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان فرمائیں۔

الجواب

اوجھڑی، پچونی، چستہ کھانا ناجائز ہے کہ ان میں غلاظت رہتی ہے، فقہا نے مادہ کی شرم گاہ اور نر جانور کے آلۂ تناسل کو کھانا ناجائز قرار دیا کہ وہاں سے پیشاب گزرتا ہے، تو اوجھڑی اور چستہ بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوں گے، کہ یہ غلاظت کی گزر گاہ نہیں بلکہ غلاظت کا محل ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے:" وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ "(الاعراف:١٥٧) اور یہ نبی ان پر سب گندی چیزیں حرام فرمائیں گے۔

حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بکری کے اجزا میں سات چیزیں مکروہ بتائیں، انھیں میں پیشاب کی تھیلی، مادہ کی شرم گاہ اور نر کا ذکر بھی ہے۔ یہ حدیث معجم اوسط اور بیہقی شریف کی ہے۔ لہٰذا سوال میں درج چیزوں کو نہ کھایا جائے، اس مسئلہ کی تحقیق فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم ص: ٣٢٣ تا ص:٣٢٧ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

طلاق کا ایک مسئلہ

زوجین کے درمیان کسی بات پر چند دنوں سے ناچاقی چل رہی تھی کہ اسی دوران بیوی اپنے کسی عزیز کے گھر جانے کے لیے نقاب لگا کر تیار ہوگئی تو اس کے شوہر نے کہا، اگر تو گئی تو تجھ کو طلاق، تجھ کو طلاق، تجھ کو طلاق۔ اس دن تو اپنے عزیز کے گھر بیوی نہیں گئی، لیکن اس کے دوسرے دن چلی گئی۔ اب تفتیش پر دونوں کا بیان الگ ہے۔ بیوی کہتی ہے کہ آپ نے آج کا لفظ استعمال کیا تھا، اس لیے میں اس دن نہیں گئی، اگلے دوسرے دن گئی اور شوہر کہتا ہے کہ مجھے آج کے لفظ کا خیال نہیں ہے، ویسے میں ہمیشہ کے لیے نہیں کہا تھا، سوال یہ ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں طلاق نہیں واقع ہوئی کہ یہ تعلیق یمین فور کے باب سے ہے اور وہ پائی نہ گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



خطبۂ حجۃ الوداع
اور اسلامی سیاست

مولانا محمد عابد چشتی ثقافی

کسی قوم کے آبائی نظریات اور پیڑھی در پیڑھی چلے آرہے عقائد و افکار کو اپنے نظریات کے سانچے میں ڈھالنا بہت مشکل امر ہے۔ یوں ہی اگر معاشرہ میں برائیوں کا رواج اتنا عام ہو جائے کہ لوگ اسے برائی ہی نہ سمجھیں تو ان کا ختم کرنا کافی دشوار اور ایک چیلنج بھرا کام ہے اور یہ دشواری اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب کہ لوگ اپنے نظریات یا خصائل پر اتنی سختی برتتے ہوں کہ ان کے خلاف کوئی بات سننا کسی طرح گوارا نہ کریں۔

اسلام کی کرن پھوٹنے سے پہلے خطۂ عرب کا مزاج و ماحول کچھ اسی طرح کا تھا جہاں اخلاقی قدریں منھ چھپائے اپنی بے بسی پر آنسو بہا رہی تھیں، کردارکشی، قتل وغارت گری، حق تلفی، خودغرضی لوگوں کے حواس پر چھا کر راج کر رہے تھے اور محبت و الفت، عفو در گزر اپنی درماندگی پر رو رہے تھے چاروں طرف کفر و شرک اور ظلم و عدوان کی آندھیاں چل رہی تھیں ایسے خطرناک ماحول کو بدلنے اور سسکتی ہوئی انسانیت کو جادۂ حق و صواب سے آشنا کرنے کے لیے مذہب اسلام اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ صفحۂ ہستی پر نمودار ہوا جس کی چکا چوندھ سے اہل عرب کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں، اسلام جو دین فطرت تھا اس نے اہل عرب کے مزاج و معیار کو بھانپتے ہوئے اپنی حسن تدبیر، اعلیٰ تدبیر اور تعمق نظری سے دھیرے دھیرے اپنے مزاج سے ہم آہنگ کرنا شروع کیا اور ان کے قلب و روح کی تطہیر کرتے ہوئے اپنے قالب میں ڈھالتا چلا گیا اور ایک دن وہ بھی آیا کہ ہر قسم کی برائی خطۂ عرب سے نکل گئی عقائد و اعمال بدل گئے اخلاقی اقدار اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گئے اور انسانیت منتہائے کمال پر کھڑی مسکرانے لگی۔

جب آپ غور کریں گے تو پتہ چلے گا کہ تاریخ انسانیت میں برپا ہونے والے اتنے عظیم انقلاب کے پیچھے پیغمبر اسلام کی تدبیر، فکری دور رسی اور اعلیٰ سیاست کار فرما تھی آپ کی پاکیزہ سیاست ہی کا کمال تھا کہ سارا ماحول بدل گیا اور چاروں طرف امن و امان کی کیف آگیں فضا چلنے لگی۔

امن عالم اور انسانیت کے تحفظ کے لیے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سیاست اور تدبیر سے کام لیا تھا ایسی انقلاب آفریں، پاکیزہ اور ستھری سیاست تاریخ انسانی میں کہیں دیکھنے کو نہیں ملتی ہے دنیا میں بہت سی قومیں عروج پزیر ہوئیں جنھوں نے انسانیت کے نقطۂ کمال کو پانے کے لیے ذہن و فکر کی تمام توانائیاں صرف کر ڈالیں اور اپنی تدبیر و سیاست سے اس پاکیزہ مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ان میں کوئی افراط کا شکار ہو کر اپنی فطرت سے بغاوت کر بیٹھا اور کوئی تفریط کا شکار ہو کر انسانیت کی اعلیٰ سطح سے گر گیا مگر اسلامی سیاست ہی کا یہ کمال ہے کہ افراط و تفریط سے ہٹ کر معتدل انداز میں اس نے انسانیت کو کمال پر پہنچا دیا۔

تاریخ اسلام کا ایک درخشندہ باب ہے جسے حجۃ الوداع سے تعبیر کیا جاتا ہے، ہادی برحق اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اپنی امت سے آخری خطاب فرمایا اور جس سیاست کو عملی جامہ پہنا کر محض ۲۳ سال کی قلیل مدت میں آپ نے ملک عرب کے چپے چپے میں امن و امان کا نقارہ بجا دیا آخری خطبہ میں آپ نے اسی تدبیر و سیاست کے عالمی اور آفاقی منشور کو اپنی امت کے روبرو پیش فرمایا اور عائلی، سماجی، ملکی نظام معاشرت کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے اس پر عمل پیرا ہونے پر زور دیا۔

آئیے خطبۂ حجۃ الوداع کے تناظر میں اسلام کی اس سیاست کو ملاحظہ کریں جس نے ساری دنیا میں انقلاب برپا کر کے رکھ دیا۔

سن دس ہجری میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج بیت اللہ کا ارادہ فرمایا، حج کا مہینہ آتے ہی عشاق کا نہ تھمنے والا ایک سیلاب امنڈ آیا۔ اپنے آقا و مولیٰ کی قیادت و سرپرستی میں حج کی ادائے گی حج مقبول کی سند تھی چنانچہ شمع رسالت نے اپنے پروانوں کے جھرمٹ میں حج کی

abid.chishti@rediffmail.com

رسومات ادا فرمائیں اور میدان عرفات میں اپنے جاں نثاروں کی موجودگی میں قیامت تک کہ انسانوں سے ایسا خطبہ ارشاد فرمایا کہ آج کی بلکتی ہوئی انسانیت کو اگر اس کا سراغ لگ جائے تو اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ رقص کرنے لگے، سب سے پہلے آپ نے انسانی جان کی حرمت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا

" بعد الحمد للہ و الثناء علیہ ایها الناس ! ان دمائکم و اموالکم علیکم حرام الیٰ ان تلقوا ربکم کحرمۃ یومکم ھٰذا فی شھرکم ھٰذا فی بلدکم ھٰذا"

" اے لوگو! تمھاری جانیں اور تمھارے اموال تم پر عزت و حرمت والے ہیں یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملاقات کرو یہ اس طرح ہے جس طرح تمھارے یہ مہینہ حرمت والا ہے اور جس طرح تمھارا یہ شہر حرمت والا ہے اور جس طرح تمھارا آج کا یہ دن حرمت والا ہے"

اللہ کے نبی ﷺ نے ہر انسانی جان اور مال کو عزت و حرمت والا قرار دیا کسی بھی انسانی جان کو بلا وجہ ضائع کر دینا یا کسی کے مال کو برباد کر دینا اسلامی مزاج کے ناموافق ہے وہ بلا تفریق مذہب و ملت، زبان و علاقہ اور رنگ و نسل ہر جان کے قابل احترام ہونے کا تصور دیتا ہے اور آگے یہ ارشاد فرما کر " انکم ستلقون ربکم فیسئلکم عن اعمالکم " آخرت کی باز پرسی اور خوف خدا کا احساس پیدا کیا یہی وہ احساس ہے کہ جس دل میں یہ گھر کر لیتا ہے وہ انسانیت کو کسی طرح کی زک پہچانے کا تصور بھی نہیں کرتا ہے۔

جب آپ اقوام عالم کا معائنہ کریں گے تو پائیں گے کہ ایک طرف امریکہ حقوق انسان کا سب سے بڑا علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتا ہے دن رات امن عالم اور انسانیت کے تحفظ کی باتیں کرتا ہے جسے اپنے ان بلند بانگ دعووں پر حد درجہ غرور ہے اور اپنی بھونڈی تدبیر کے ذریعہ وہ امن پانے کے لیے دماغ کا سارا زور ختم کرا رہا ہے وہیں دوسری طرف انسانی جانوں کو جانوروں کی طرح برباد کرنے سے بھی وہ دریغ نہیں کرتا عراق کی داستان رنج و الم کسے یاد نہیں ہے جہاں بے بنیاد الزام لگا کر زبردستی حملہ کر کے خاک و خون کا ایسا ننگا ناچ رچایا کہ پوری انسانیت نے شرم سے سر جھکا لیا عراق کی سرزمین پر یہ خوں چکاں داستاں رقم کرنے کے کے بعد بھی امریکہ تحفظ انسانیت کا مدعی ہے اور امن لانے کا متمنّی ہے مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ بے گناہوں کا خون بہا کر اور انسانی جانوں کی بے حرمتی کر کے دنیا میں امن لانے کی بات کرنا کسی دیوانے کی بڑبڑاہٹ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا جن کے دلوں میں انسانی جان کی حرمت نہیں ہوتی ان سے حقوق انسانی کی بازیابی نہیں ہو سکتی اسی لیے پیغمبر اسلام نے سب سے پہلے انسانی جانوں کی حرمت کا درس دیا اس لیے کہ جب یہ احساس پیدا ہو جائے گا تو دیگر حقوق انسانی کا تحفظ بآسانی ممکن ہو گا اسی لیے قرآن کریم میں بھی اللہ رب العزت اپنے محبوب کے نظریۂ حرمت نفس کی تائید کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے

'من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا و من احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا (سورہ مائدہ رکوع ۸)

جس نے کسی جان کو زمین میں فساد یا کسی نفس کے بغیر قتل کیا تو گویا اس نے پوری انسانیت کا خون کیا اور جس نے کسی انسان کی جان بچائی گویا اس نے پوری انسانیت کو زندگی بخشی

قرآن کریم کے بیان کردہ اس نظریہ میں امن عالم کی سوغات الگ دکھائی دے رہی ہے ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ قیامت تک پیدا ہونے والے امن کے متلاشی خطبہ حجۃ الوداع اور قرآن کریم کی ان تعلیمات پر عمل کریں گے وہ دن تاریخ انسانیت کا سب سے پر امن دن ہو گا۔

آئے دن اخبارات میں غربت و افلاس سے موت کو گلے لگانے والوں کا ذکر ہوتا رہتا ہے اور ملک کے سیاسی مفکرین ملک کے معاشی ڈھانچہ کو سدھارنے کی بات کرتے رہتے ہیں لیکن غریب عوام کو دو وقت کی روٹی جٹانے کے لالے پڑے ہوئے ہیں اللہ کے نبی ﷺ نے ملک کے معاشی استحکام کے لیے رہنما اصول اپنی امت کو سکھاتے ہوئے فرمایا

" ان کل ربا موضوع لکن لکم رأس اموالکم و لا تظلمون و لا تظلمون قضیٰ اللہ انہ لا ربا"

بیشک ہر سود معاف ہے ہاں اصل مال تمھارے لیے ہے تم کسی پر ظلم نہ کرو تمھارے اوپر ظلم نہیں کیا جائے گا اللہ نے فیصلہ فرما دیا کہ کوئی سود نہیں "

کسی بھی ملک کا ترقی کے لیے معاشی اعتبار سے مستحکم ہونا بہت ضروری ہے جس ملک کے باشندوں میں غربت و افلاس کا زبردست گزر ہو وہاں کی ترقی اور امن میں اس کا گہرا اثر پڑتا ہے سود معاشرے کی ایسی لعنت ہے جس کے ہوتے ہوئے غربت و افلاس کو ختم نہیں کیا جا

سکتا ایک غریب انسان اپنے خون پسینے سے دو قوت کی روٹی کا انتظام کرتا ہے دن رات کام کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہے مگر جب حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر کچھ قرض لے لیتا ہے تو زر کے پجاریوں کی ہوس کا ایسا شکار ہوتا ہے کہ زندگی بھر اسی سود کی ادائے گی میں گزر جاتی ہے اور آخر کار موت کو گلے لگا کر ہی اسے اس سود سے رستگاری حاصل ہوتی ہے ملک میں غریبوں کی فلاح اور ترقی کے لیے بہت سی سرکاری اور غیر سرکاری تنظیمیں بنائی جاتی ہیں بڑے بڑے لیڈر غریبوں کو آگے بڑھانے کی بات کرتے ہیں مگر سود کے ذریعہ غریب عوام کا خون چوس چوس کر اپنی تجوریاں بھرنے والوں کے لیے سرکاری سطح پر کوئی قانون ہے اور نہ غیر سرکاری سطح پر کسی قسم کا شکنجہ کسا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طبقہ کے ہاتھ میں دولت سمٹی چلی گئی اور دوسرا طبقہ بھک مری کا شکار ہو کر جرائم میں پھنس گیا چوری، ڈاکہ زنی، جسم فروشی یہ سب اسی غربت کی دین ہے پورے ملک کا سروے کیجیے تو پتہ چلے گا کہ نہ جانے کتنے ہنستے کھیلتے گھر سود کی وجہ سے ویرانوں میں بدل گئے خاندان کے خاندان ترقی کے دھارے سے کٹ گئے سودی نظام پر پابندی کے بغیر غربت و افلاس کا خاتمہ بالکل ناممکن ہے اسی لیے پیغمبر اسلام نے معاشی استحکام کے لیے سب سے پہلے سود کو حرام قرار دیا تاکہ اگر کوئی غریب انسان امیروں سے رقم لیکر کچھ کرنا چاہے تو بلا کسی زائد معاوضہ کے اپنا کام چلا سکے اور یوں غربت کا دھیرے دھیرے خاتمہ ہو جائے اور ہر گھر خوش حالی کی زندگی گزارے ، یہ ہے نظام معاشرت کو بہتر بنانے کے لیے اسلامی سیاست اسی دستور العمل کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور خلافت میں ملک کا معاشی حال اتنا بہتر ہو گیا تھا کہ غریب و مفلس لوگ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے تھے صاحب نصاب مال زکوٰۃ لیے نکلتے تھے مگر انہیں کوئی مفلس اور ایسا تہی دست نہ ملتا تھا کہ جسے زکات دے کر وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو سکیں اور اس کی وجہ سے جرائم بھی بند ہو گئے تھے امن شانتی ہر طرف پھیل گئی تھی۔

نیر اسلام کے طلوع ہونے سے پہلے کی صنف نازک کی تاریخ بھی بڑی رقت انگیز ہے جسے اگر محض انسانیت کے ناطے ہی پڑھا جائے تو آنکھیں نم ضرور ہو جائیں گی۔ سماج و سوسائٹی میں عورتوں کی کوئی وقعت اور عزت نہیں تھی انہیں لونڈی اور داسی بنا کر صرف شہوت رانی کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا سر عام عورت کی عزت و ناموس کا سودا کیا جاتا تھا کبھی حکمرانوں کے حرم کی داشتہ تو کبھی باندی اور کنیز بن کر زندگی گزارنے پر مجبور تھی، پیغمبر اسلام نے اس انارکی اور ظلم کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا اور عورت کا صحیح مقام و مرتبہ متعیّن کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :

ایها الناس ! اتقوا الله و استوصو بالنساء خیرا فانهن عندكم عوان لا يملكن لانفسهن شئيا و انكم انما اخذتموهن بامانة الله "

اے لوگو! اللہ سے ڈرتے رہو میں تمہیں عورتوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیوں کہ وہ تمھارے زیر دست ہیں وہ کسی چیز کی مالک نہیں ہیں اور یہ تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہیں "

پیغمبر اسلام ﷺ نے انسانوں کو یہ باور کرایا کہ عورت اللہ کی بہترین نعمت ہے حقوق انسانی میں اسے برابر کی شرکت کا حق ہے ، اسلام کی تعلیمات سے وہ عورت جسے راہ کا پتھر سمجھ کر ٹھوکروں پر رکھا جاتا تھا وہی عورت عزت و عظمت کی مستحق سمجھی جانے لگی اور اسلام نے گھر کی ملکہ بنا کر اسے معزز و معتبر کر دیا۔

امریکہ کی تعلیمات اور مغربی تہذیب و تمدن نے ایک بار پھر عورت کو عہد رفتہ کی طرف پلٹا دیا ہے جہاں عورت مظلومیت کی دہلیز پر کھڑی اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کی دہائی دیتی تھی آج کی عورت کسی قسم کی حاکمیت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اپنے شوہر کی حاکمیت سے اسے چڑھ ہوتی ہے وہ آزاد رہنا چاہتی ہے اور اسی شخصی آزادی کے مغربی تصور نے اسے کمانے کے لیے گھر کی دہلیز سے باہر نکال دیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کے امریکہ اور ان جیسے دیگر ممالک میں اخلاقی قدریں پست ہو گئیں ، ہر طرف جنسیت کا عفریت انسانی اقدار کو منھ چڑھانے لگا یہ حقیقت مسلم ہے کہ جب کسی معاشرہ میں جنسیت حاوی ہو جاتی ہے تو اس کی کوکھ سے ایسے ایسے جرائم پیدا ہوتے ہیں جو امن کی فضا میں بے امنی اور بد نظمی کے جراثیم گھول دیتے ہیں امریکہ اور اس کے اندھی تقلید کرنے والے ممالک مادی طور پر کتنے ہی ترقی کر گئے ہوں مگر اخلاقی اور روحانی اعتبار سے ان کے اندر بے چینی کا طوفان ہچکولے لے رہا ہے جو جنسی بے راہ روی کا نتیجہ ہے جس کی وجہ عورتوں کی مطلق العنانی ہے اگر روحانی سکون ، اخلاقی اقدار اور انسانیت کے کمال کو پانا ہے تو عورتوں کے متعلق اسلام نے جو تصور دیا ہے اس پر عمل پیرا ہونا پڑے گا یعنی یہ کہ وہ مردوں کے زیر دست اپنی زندگی گزاریں اور شوہر کی سرپرستی کو قبول کریں۔

تاریخ عالم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ذات پات اور نسلی تفاخر

کی تاریخ بہت پرانی ہے ہندوستان ہی کو لے لیجیے یہاں ایک مذہب کے ماننے والوں میں کئی ذاتیں رائج تھیں مثلا برہمن، چھتری، شودر، ویش اور نہ جانے کتنی ذاتیں تھیں جن کے سبب آپس میں بھید بھاؤ اور قوانین میں امتیازات برتے جاتے تھے دلت اور پسماندہ لوگوں کو پیدائشی غلام سمجھا جاتا تھا جس کے سبب ان کی نئی نسل احساس کمتری کا بری طرح شکار ہو کر ذہنی الجھنوں میں پھنس کر ترقی کے تصور ہی سے دور رہتی تھی یہی وجہ ہے کہ اس دور کے ہندوستان نے کبھی کوئی قابل قدر کارنامہ انجام نہیں دیا اور جہاں جہاں یہ امتیازات ہوتے ہیں وہ بہت کم ہی ترقی کر پاتے ہیں چونکہ عرب کا سماج بھی اسی برائی میں پھنسا ہوا تھا پیغمبر اسلام نے سب سے پہلے اس کے خلاف علم جہاد بلند فرمایا اور ذات پات کے تصور کو کالعدم قرار دیتے ہوئے پوری نسل انسانی کو وحدت کا تصور دیا ۲۳ سال تک آپ اس تصور کو حقیقت کا جامہ پہناتے رہے اور عملی نمونے امت کے سامنے پیش فرماتے رہے اور امت سے رخصتی کے وقت یہی وصیت کی کہ آپس میں مل جل کر رہو ذات پات کوئی چیز نہیں چنانچہ ارشاد فرمایا

" اما بعد ایها الناس ! الا و ان ربکم واحد الا و ان آبائکم واحد الا لا فضل لعربی علیٰ عجمی و لا لعجمی علیٰ عربی و لا لاسود علیٰ احمر و لا لاحمر علیٰ اسود الا بالتقویٰ ان اکرمکم عند الله اتقاکم "

اے لوگو! تمھارا رب ایک ہے تمھارا باپ ایک ہے خبردار کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی برتری نہیں سوائے تقویٰ کے، بیشک تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

پیغمبر اسلام نے نسلی تفاخر، علاقائی غرور اور ذات پات کے ذریعہ پنپتے ہوئے احساس برتری کے جذبہ کو بالکل دبا دیا اور اسے معیوب قرار دیا تاکہ نسلی انسانی ذات پات علاقہ و زبان کے ڈھکوسلوں سے نکل کر زندگی کے مختلف شعبوں میں اجتماعی یا انفرادی طور پر اپنی صلاحیت کے مطابق اپنی شخصیت کی تعمیر کریں اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ اسلامی تاریخ میں غلام اور غلام زادے بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیے گے پورے ملک عرب میں ہمدردی، خیر سگالی اور خیر خواہی پھیل گئی آج اگر نسلی امتیازات اور علاقائی تفریق کے خلاف ہر طرف سے آواز بلند ہو رہی ہے تو یہ اسلام ہی کی صداقت ہے جو سر چڑھ کر بول رہی ہے ذات پات کو دنیا آج انسانی ترقی کے لیے مضر بتا رہی ہے اور پیغمبر اسلام نے چودہ سو سال پہلے اس کے خلاف علم جہاد بلند فرما کر انسانی کی تعمیر و ترقی میں ہمواری پیدا فرمادی تھی اور یہی نہیں کہ صرف ذات پات کے تفاخر کو بند کیا ہو بلکہ آپس میں اس طرح رہنے کی تعلیم دی گویا سب ایک ہی گھر کے افراد ہیں جو مختلف مکانات میں گزارا کر رہے ہیں۔

آج کے نفسا نفسی اور ہمہ ہمی کے ماحول میں لوگ اتنے خود غرض اور مفاد پرست ہو گئے ہیں کہ بیان نہیں کیا جا سکتا حسن اخلاق، رواداری اور معاونت کا فقدان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ حالانکہ ان عناصر کے بغیر پر امن معاشرہ تشکیل نہیں پاتا ہے اسی لیے پیغمبر اسلام نے ایک دوسرے کے ساتھ خاص طور سے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی خطبہ حجۃ الوداع میں آپ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ان جملوں میں انسانیت نوازی کی خوشبو مہک رہی ہے:

" عباد الله ! و لا تعذبوهم اوصیکم بالجار حتیٰ اکثر فقلنا انه سیورثه "

اے اللہ کے بندو! پڑوسیوں کو تکلیف مت پہچاؤ میں پڑوسی کے متعلق بھلائی کی نصیحت کرتا ہوں آپ نے یہ اتنی بار فرمایا کہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ ان کو وارث نہ بنا دیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی تفریق کے بغیر پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی کوئی بھی ہو کسی بھی مذہب و ملت یا علاقہ کا ہو اگر پڑوسی ہے تو محض انسانیت کے ناطے اس کی جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت لازمی قرار دی تاکہ انسانیت کا جذبہ پروان چڑھے اور اس طرح کی ہمدردی سے پر امن معاشرہ کا وجود ہو۔

حاصل کلام یہ کہ امن و امان اور پرسکون معاشرہ کی تشکیل کے لیے پیغمبر اسلام نے بہترین خطوط کھینچ دیے ہیں جن پر چل کر انسانیت کے نقطۂ کمال کو پایا جا سکتا ہے خطبہ حجۃ الوداع اسلام کی اسی تدبیر اور حسن سیاست کا آئینہ دار ہے خطبہ حجۃ الوداع کے تناظر میں اسلامی سیاست و تدبیر دیکھی جا سکتی ہے جس کے ذریعہ ایک بار پھر دنیا کو امن و امان کا گہوارہ بنایا جا سکتا ہے۔

ماخذ خطبہ حجۃ الوداع :۔ مشکوۃ شریف باب قصۃ حجۃ الوداع ص:۲۲۴☆ضیاء النبی ج:۴ص:۵۴۳☆۷فاروقیہ بک ڈپو۔

☆☆☆



شعائر

ایمان، تقویٰ اور ولایت

مفتی محمد علی قاضی مصباحی جمالی

فکر و عمل کی صلاح و فلاح کے لیے ایک عشق انگیز اور مدلل تحریر

ایمان!

ایمان کیا ہے حبّ محمد کا سلسلہ
اسلام کیا ہے سیرت وکردارِ مصطفیٰ

ارشاد قرآنی ہے:

اِنَّمَا الْمُومِنُونَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُو ا بِاللّٰہِ وَرَسُولِہٖ ثُمَّ لَمۡ یَرۡتَابُوا وَجَاھَدُوا بِاَ مۡوَالِھِمۡ وَاَنۡفُسِھِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اُولٰئِكَ ھُمُ الصّٰدِقُونَ (الحجرات آیت ۱۵)

ترجمہ! ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک نہ کیا اور اپنی جان اور مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہی سچے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ایمان میں شک کی گنجائش نہیں ہے بلکہ ایمان نام ہی ہے مکمل یقین کا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے!

اَلْیَقِیۡنُ اِلْاِیمَانُ کُلُّہٗ یعنی یقین پورا ایمان ہے اور ایک جگہ ہے اَلصَّبۡرُ نِصۡفُ الْاِیۡمَانِ وَالۡیَقِیۡنُ کُلُّہٗ یعنی صبر آدھا ایمان ہے اور یقین پورا ایمان ہے۔ نوٹ! یقین اس علم کو کہتے ہیں جس میں کسی قسم کا تردد و ریب اور شک و شائبہ نہ ہو (حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چھٹے مسلمان ہیں، حضور کے خادم خاص ہیں اور صاحب سر وصاحبِ نعلین ہیں۔ حضور ﷺ نعلین اتارتے تو یہ انھیں اپنی آستین میں رکھ لیتے اسی لیے ان کو صاحب نعلین صاحب سر کہا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں حضور نے فرمایا جو یہ پسند کریں مجھے بھی پسند او ر جسے یہ ناپسند کریں مجھے بھی ناپسند ہے۔ فقہ حنفی بلکہ اکثر فقہ کی بنیاد انھیں پر ہے۔ (نزھۃ القاری شرح بخاری ص ۲۳۵۔۲۴۲)۔

ایمان کا معنیٰ استقامت! ایمان والا سخت سے سخت گھڑی میں بھی متزلزل نہیں ہوتا بلکہ ہر ابتلاء و آزمائش کے وقت صبر و ہمت اور استقلال واستقامت کے ساتھ دین و ایمان پر جمے رہتا ہے۔ ایمان پر جمے رہنا ہی مومن کی شان ہے، مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضرت سفیان بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ اسلام کے بارے میں ایسی جامع بات فرمادیجیے کہ آپ کے بعد پھر کسی اور سے اس کے بارے میں نہ سوال کروں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قُلۡ اٰمَنۡتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسۡتَقِمۡ یعنی کہو میں اللہ پر ایمان لایا پھر اُسی پر جم جاؤ۔

استقامت کا معنیٰ! ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا (حم السجدہ ۴۱ آیت ۳۰) ترجمہ! بے شک وہ جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے (ان پر فرشتے اترتے ہیں اور کہتے ہیں نہ ڈرو اور نہ غم کرو) تفسیر میں ہے حضرت صدیق اکبر نے کہا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے یہ استقامت ہے، حضرت فاروق اعظم نے کہا امر و نہی پر قائم رہے یہ استقامت ہے، حضرت عثمان غنی نے کہا عمل میں اخلاص کرے یہی استقامت ہے، حضرت علی مرتضیٰ نے کہا استقامت یہ ہے کہ فرائض ادا کرے اور استقامت کے معنی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے امر کو بجالائے اور معاصی سے بچے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔

ایمان کی تعریف! شرع میں ایمان کی تعریف ہے:

اَنۡ تُو مِنَ بِاللّٰہِ وَمَلائِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡبَعۡثِ بَعۡدَ الۡمَوۡتِ وَالۡقَدۡرِ خَیۡرِہٖ وَشَرِّہٖ.

(تنبیہ الغافلین ص ۴۳۹)

ترجمہ! ایمان یہ ہے کہ تو ایمان لائے اللہ پر، اس کے ملائکہ پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، قیامت کے دن پر، مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر اور اچھی بری تقدیر پر۔

اسلام کی تعریف! شرع میں اسلام کی تعریف یہ ہے:

اَنۡ تَعۡبُدَ واللّٰہَ وَلَا تُشۡرِكۡ بِہٖ شَیۡئًا وَّتُقِیۡمَ الصَّلٰوۃَ

وَتُؤتِی الزکٰوۃَ الْمَفْرُوضَۃَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ.(انوار الحدیث بحوالہ مسلم)

ترجمہ! اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کچھ شرک نہ کرے، نماز قائم کرے، تجھ پر جو فرض ہے وہ زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں ایمان کا معنی!

اِقْرَارٌ بِالِّلسَانِ وَتَصْدِیقٌ بِا لْقَلْبِ وَالْعَمَلِ مِنْ شَرَائِعِہٖ(تنبیہ الغافلین ص ۴۳۹)

ترجمہ! زبان سے (ایمان کا) اقرار کرے، دل سے اس کی تصدیق (ایمان کو دل سے مانے) کرے اور اس کے احکام پر عمل کرے۔ (شرائع کا معنی احکام)۔

محققِ دہلوی کی نگاہ میں ایمان و اسلام! آپ شرحِ حدیثِ ایمان میں فرماتے ہیں اسلام ظاہری اعمال (نماز، روزہ، زکوٰۃ) کا نام ہے اور ایمان اعتقادِ باطن کا نام ہے (خدا اور رسول کا دل سے ماننا) اسلام و ایمان کے مجموعہ کا نام دین ہے۔ حقیقت میں اسلام ایمان کا نتیجہ ہے اور اس کی فرع ہے (انوار الحدیث ص ۸۴)۔

ایمان کی ایک اور تعریف! ایمان کے لغوی معنی تصدیق کے ہیں اور اسلام کے معنی تابعداری اور شرع میں اسلام کے معنی ہیں اُس دین کا پابند ہونا جو خدا کی طرف سے رسول لائے۔

(نزہۃ القاری شرح بخاری ص ۳۱۸)۔

ایمان اصل ہے! انسان جن چیزوں کا مکلف ہے اس کی دو قسمیں ہیں یا تو اس کا صدور دل سے ہوگا یا اس کا صدور دیگر اعضاء سے ہوگا اول ایمان ہے ثانی اعمال یا اقوال۔ سارے اعمال و اقوال کی بنیاد ایمان ہے اگر ایمان نہ ہو تو سارے اعمالِ حسنہ و اقوالِ صالحہ کالعدم ہیں۔

(نزہۃ القاری شرح بخاری ص ۳۳۵)۔

ایک دانا کا قول! ایک دانا کا قول ہے کہ جسم کی سلامتی کم کھانے میں ہے، روح کی بقا کم گناہوں میں ہے اور ایمان کی سلامتی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلاۃ و سلام پڑھنے میں ہے۔

(مکاشفۃ القلوب باب خوف و خشیت)۔

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اِسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نا مکمل ہے

مدّعیانِ ایمان کے تین اقسام! ایمان و اسلام کے لغوی و شرعی معانی و مفاہیم جان لینے کے بعد دعویدارانِ ایمان کی حقیقت و کیفیت سے آگاہی بھی لازم ہے تاکہ اصلی و نقلی، صادق و کاذب اور کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہو سکے۔

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ

(البقرہ ۲ آیت ۲۲۰)۔

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایمان معرفت الٰہی، اس کی تصدیق اور اسلام کا اقرار کرنے کا نام ہے۔ تصدیق کے اعتبار سے انسانوں کے تین درجے ہیں۔ اول جو دل اور زبان سے اللہ تعالیٰ اور اس کے نازل کردہ احکام کی تصدیق کرتا ہو۔ دوم جو زبان سے تصدیق کرتا مگر دل سے جھٹلاتا ہو۔ سوم جو دل سے تصدیق کرتا ہے مگر زبان سے تکذیب کرتا ہے۔ پہلا شخص خدا اور مخلوق دونوں کے نزدیک مومن ہے دوسرا شخص خدا کے نزدیک کافر اور لوگوں کے نزدیک مومن ہے کیوں کہ لوگ اس کی قلبی کیفیت سے آگاہ نہیں اور شہادت کا اقرار کرنے کی وجہ سے وہ اسے مومن سمجھنے پر مجبور ہیں۔ انسان اس کے مکلف نہیں کہ وہ قلب کے حالات سے بھی واقف ہوں۔ جہاں تک تیسرے شخص کا تعلق ہے ممکن ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کی خاطر کفر کا اظہار کر رہا ہو اور جو شخص اُسے نہیں جانتا وہ اسے کافر سمجھنے لگے حالانکہ عنداللہ اس کے مومن ہونے میں شبہ نہیں۔

(انتہی کلام الامام. حیات حضرت امام ابو حنیفہ ص ۳۱۱)۔

مذکورہ بالا بیانات اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف قلبی تصدیق معتبر نہیں بلکہ زبان سے اقرارِ تسلیم اور اظہارِ رضامندی ناگزیر ہے اور اگر ممکن ہو تو عوام الناس میں اس کا اعلان بھی ضروری ہے۔ اگر خوف کی وجہ سے رفقاء کی ضرورت لاحق ہو یا بچاؤ کے لیے سکوت اختیار کرنا پڑے تو اس کی صورت میں صرف قلبی تصدیق کو کافی سمجھا جائیگا۔ حقیقت یہ ہے کہ قلبی تصدیق ہی سے مومن و منافق میں فرق و امتیاز قائم کیا جاسکتا ہے۔ منافق کی زبان تو چلتی ہے مگر دل یقین سے خالی ہوتا ہے۔ بخلاف ازیں مومن ظاہر میں بھی اسلام پر راضی ہوتا ہے اور اس کا دل بھی دولت ایمان و ایقان سے مالا ل ہوتا ہے۔

فقہ اکبر میں (امام کا قول) مذکور ہے ایمان اقرار اور تصدیق کو کہتے ہیں پھر اسلام کے بارے میں فرمایا ہے اسلام کے معنی خدا کے اوامر و احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔ اگر چہ لغوی اعتبار سے ایمان

اور اسلام میں فرق ہے مگر دینی لحاظ سے نہ ایمان اسلام کے بغیر پایا جاتا ہے اور نہ اسلام ایمان کے بغیر اور یہ دونوں ظاہر و باطن کی طرح ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں، لفظ دین کا اطلاق ایمان، اسلام اور جملہ احکام شرعیہ پر ہوتا ہے (حیات حضرت امام ابو حنیفہ ص ۳۰۵ تالیف شیخ محمد ابو زہرہ قاہرہ)۔

رب العالمین حضور رحمۃ اللعالمین کے وسیلے سے ہم سب کو دولت ایمان واسلام سے ہمیشہ سرشار رکھے اور اسی پر خاتمہ بالخیر عطا فرمائے آمین۔

تین اوصاف میں ایمان کی مٹھاس!

صحیح معنوں میں ایمان واسلام دل ودماغ میں رچ بس جانے کے بعد اور رگ وریشے میں اس کے سرایت کر جانے کے بعد مومن سے ایسے اوصاف واخلاق کا مظاہرہ ہوتا ہے کہ جو اس کے اندر موجود ایمان کی طاقت وقوت کو نمایاں کرتے ہیں۔اس لیے مومن ہمیشہ ایسے کام کرے کہ جن سے اس کے اعلیٰ اخلاق وعادات کا مظاہرہ ہو اور جنکے ذریعہ اسے ایمان کی لذت ولطافت، ایمان کی چاشنی وحلاوت ملتی رہے اور جو اوصاف واخلاق اس کے اندر ایمانی حمیت وحرارت میں اضافہ کرتے رہیں۔اس کو آپ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ ایک شخص جس کے منہ کا ذائقہ اچھا ہے اگر وہ شکر کھائیگا تو یقیناً اسے شکر کی مٹھاس کا احساس ہوگا مگر جس شخص کو صفراوی بخار ہو اور اس کے منہ کا ذائقہ مکمل بگڑ چکا ہو ظاہر ہے کہ اگر وہ شکر کھائیگا تو اسے شکر کی مٹھاس کا قطعی احساس نہ ہوگا۔اب ہمیں تلاش کرنا ہوگا کہ وہ کونسی کونسی باتیں ہیں کہ جن میں ایمان کی طاقت وقوت اور ایمان کی چاشنی وحلاوت رکھی گئی ہے۔یہاں پر ہم صرف ایک فرمان نبی ﷺ کا ذکر کرتے ہیں جس میں تین خوبیوں کو ایمان کی چاشنی بتایا گیا ہے اور وہ اس طرح ہیں۔

(۱) مومن کی نگاہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ سارے جہاں میں سب سے زیادہ محبوب ہوں

(۲) مومن جس سے بھی محبت کرے خالص اللہ ہی کی خاطر کرے۔

(۳) اور مومن اسلام قبول کر لینے کے بعد کفر اختیار کرنے کو اتنا ہی برا جانے جتنا کہ وہ آگ میں ڈال دیے جانے کو برا جانتا ہے۔پہلی بات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کا معنی ہے کہ وقت آئے تو مومن ان دونوں کی رضا کی خاطر اپنے آباواجداد، آل واولاد، مال وجائداد، اصحاب وازواج، دوکان ومکان، ساز وسامان، جسم وجان اور سارے جہان کو قربان کرنے کے لیے تیار ہوجائے۔اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرماں برداری اور ان کی اطاعت گذاری میں اس کے اندر ایسا جذبہء استقامت پیدا ہوجائے کہ وہ کسی حال میں متزلزل اور ڈانواڈول نہ ہو۔ دوسری بات ہمارے دل میں کسی سے محبت خالص اللہ ہی کے لیے ہو یعنی اس میں کوئی اور غرض شامل نہ ہو۔اگر ہم انبیا ومرسلین، خلفائے راشدین، انصار ومہاجرین، صحابہ وتابعین، ائمہ مجتہدین، فقہا ومحدثین، علمائے ربانیین اور اولیائے کاملین سے محبت کرتے ہیں تو اس لیے نہیں کرتے کہ وہ ہمارے کوئی رشتہ دار ہیں۔بلکہ اس لیے ان سے محبت کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب، نبی کریم ﷺ کے مطیع وفرمانبردار اور ان کے یار ووفادار ہیں۔اسی طرح اگر ہم کفار ویہود، فرعون ونمرود، ہامان وشداد، یزید وابن زیاد، عتبہ وشیبہ، ابوجہل وابولہب، مشرکین وکافرین، منکرین ومعاندین اور جملہ دشمنان دین سے نفرت کرتے ہیں تو اس لیے نہیں کرتے کہ انہوں نے ہمارا کچھ بگاڑا ہے یا ہمارا مال لوٹا ہے بلکہ ہم ان سے صرف اس لیے نفرت وعداوت رکھتے ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے منکر ومخالف اور ان کے معاند ودشمن ہیں۔اسی کو اَلْحُبُّ فِی اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰهِ (اللہ ہی کے لیے دوستی اور اللہ ہی کے لیے دشمنی) کہا جاتا ہے اور ہاں اسی کو اخلاص وللّٰہیت کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

ہر کہ را اندر عمل اخلاص نیست
در جہاں از بندگان خاص نیست

اور تیسری بات اسلام لانے کے بعد کفر میں جانا مومن کو سخت ناپسند ہو جیسے کوئی آگ میں پھینکے جانے کو سخت ناپسند کرتا ہے۔اسلام کی تاریخ میں نہ جانے کتنے خاصان خدا، عاشقان مصطفی ﷺ اور شہیدان راہ وفا کی گردنوں پر تلواریں رکھی گئیں، انہیں کفر اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا اور انہیں دنیا کی ہر لالچ دی گئی مگر انہوں نے ہمیشہ عزیمت کی راہ اختیار کرتے ہوئے اپنی جانوں کا نذرانہ بخوشی اسلام کی سربلندی کے لیے پیش کر دیا۔حدیث پاک کے کلمات یوں ہیں۔

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ ثَلٰثٌ مَنْ کُنَّ فِیهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِیْمَانِ اَنْ یَّکُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ یُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا یُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَاَنْ یَّکْرَهَ اَنْ یَّعُوْدَ فِی الْکُفْرِ کَمَا یَکْرَهُ اَنْ یُّقْذَفَ فِی النَّارِ. (نوادر الحدیث

بحوالہ بخاری کتاب الایمان)

ترجمہ۔ حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، تین چیزیں جس شخص میں ہوں وہ ایمان کی مٹھاس پائے گا۔ جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ، ان دونوں کے ماسواء سارے جہاں سے زیادہ محبوب ہوں، اور جو کسی آدمی سے خالص اللہ ہی کے لیے محبت رکھتا ہو اور جو اسلام لانے کے بعد پھر کفر میں جانے کو اتنا ہی برا جانے جتنا کہ آگ میں جھونک دیے جانے کو برا جانتا ہو۔ دعا ہے کہ رب قدیر ہمیں حضور ﷺ کے وسیلے سے ان تینوں نعمتوں سے مالا مال کرے اور صحیح معنوں میں ایمان کی لذت وحلاوت عطا کرے۔ آمین۔

تقویٰ یا خوف الٰھی !ایمان کے بعد تقوے کا مرتبہ ہے یعنی اللہ سے ڈرنا اور اللہ سے ڈرنا ہی سارے اعمال کی بنیاد ہے۔ بندہ جب ظاہر وباطن میں، خلوت وجلوت میں اور تنہائی ومحفل میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اس کے سارے اعضاء سے خیر کا صدور ہوتا ہے۔ آنکھ خلاف شرع دیکھنے سے باز آتی ہے، زبان خلاف شرع بولنے سے رکتی ہے، کان غلط سننے سے پرہیز کرتے ہیں، ہاتھ ظلم وجور کرنے سے دور رہتے ہیں اور پاؤں ناجائز وحرام کی طرف نہیں بڑھتے۔ احکم الحاکمین کا ارشاد ہے:

وَتَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يَا اُولِى الْاَلْبَابِ (البقرہ ۲ آیت ۱۹۷)

ترجمہ! اور توشہ ساتھ لو کہ سب سے بہتر توشہ پرہیزگاری ہے اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقل والو۔ ظاہر ہے ہر شخص دنیا میں مسافر ہے اور ہر مسافر اپنے ساتھ کوئی نہ کوئی زاد راہ رکھتا ہے۔ مومن کی زندگی بھی ایک مسافر سے زیادہ نہیں اسے چاہیے کہ وہ دنیا کی گذر گاہ سے پرامن نکلکر اپنی منزل اصلی یعنی آخرت میں بامراد وکامیاب داخل ہونے کے لیے تقوی وپرہیزگاری کو اپنا توشہ بنالے اور یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ صرف اور صرف تقوی شعاروں کے ساتھ ہے چنانچہ اس کا ارشاد ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ

(البقرہ ۲ آیت ۱۹٤)

اور اللہ سے ڈرو اور جان لو بے شک اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جن کے ساتھ اللہ ہے بے شک وہی اللہ سے زیادہ ڈرنے والا بھی ہے اور وہی خدا ومخلوق خدا کے نزدیک زیادہ عزت والا بھی ہے جیسا کہ وہ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات ٤٩ آیت ١٣)

ترجمہ! زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے اور امت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ میں بلاشبہ سب سے زیادہ عزت والے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ تھے اس لیے قرآن کریم نے انہیں اَتقیٰ کے لقب سے یاد کیا یعنی امت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں رب العالمین سے بے شک سب سے زیادہ ڈرنے والے اور تقوی شعار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى

(اللیل ۹۲ آیت ۱۷)

ترجمہ! بہت دور رکھا جائے گا سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو (جیسے حضرت بلال ؓ کو انہوں نے گراں قیمت دے کر آزاد کیا جبکہ حضرت بلال ؓ کا ان پر کوئی احسان نہیں بلکہ رضائے الٰہی کے لیے حضرت صدیق ؓ نے انہیں اور دیگر بہت ساروں کو آزاد کیا)۔ اس لیے ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم اللہ سے ہمیشہ ڈرتے رہیں اور دل میں اس کا ایسا ڈر رکھیں کہ جیسا اسے ڈرنے کا حق ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ

(عمران ۳ آیت ۱۰۲)

ترجمہ! اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا ڈرنے کا حق ہے۔ اور دل میں خوف الٰہی پیدا کرنے کے لیے ایک ضروری نسخہ اور انتہائی اہم نسخہ یہ بھی بتا گیا کہ صرف اللہ سے ڈرنا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ اللہ سے ڈرنے والے پاک طینت وپاک باز اہل صدق وصفا بندگان خدا کی صحبت وہمنشینی بھی ضروری ہے۔ فرمان رب العالمین ہوتا ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

(التوبہ ۹ آیت ۸۹)

ترجمہ! اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

اب جو اللہ سے ڈرتا ہے اور تقوی شعار بن جاتا ہے اس کے لیے غیب سے راہیں ہموار ہو جاتی ہیں، جہاں سے گمان نہیں وہاں سے اس کے رزق وروزی کا انتظام ہو جاتا ہے، اس کی بڑی بڑی مشکلات آسان ہو جاتی ہیں اور اس کے لیے لاینحل مسائل کو حل اور لاعلاج مرض کو علاج مل جاتا ہے۔ ذرا اس آیت مبارکہ کے پرزور اسلوب بیان پر غور کیجیے:

....(باقی آئندہ)

شخصیات

اصلاحِ معاشرہ میں پروفیسر مسعودِ ملت کی قلمی خدمات

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد علیہ الرحمہ (متوفی ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء) ماہر رضویات کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں، انھوں نے عمر کا ایک طویل حصہ مجددِ دین و ملت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات و خدمات کے تعارف میں گزار دیا، چھوٹی بڑی تقریبًا پچاس کتابیں آپ نے صرف اعلیٰ حضرت کے تعلق سے قلم بند کیں، انگریزی میں بھی کئی کتابیں لکھیں، اسلامک انسائیکلوپیڈیا میں بھی اعلیٰ حضرت کا تعارف شامل کرایا۔ زبان و بیان کی سنجیدگی اور اسلوبِ نگارش کی عمدگی اور تحقیقی و ادبی انداز کی وجہ سے آپ کی تحریریں خوب مقبول ہوئیں اور اپنوں کے ساتھ پرائے بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے۔

حضرت مسعودِ ملت علیہ الرحمہ کی تصانیف بالعموم پانچ قسموں پر مشتمل ہیں:

(۱) قرآنیات۔ (۲) عقائد و معمولات اہل سنت (۳) سیرت و فضائل سرکارِ مدینہ ﷺ (۴) اکابر و اسلاف کی حیات و خدمات (۵) اصلاحِ معاشرہ و ارشاداتِ امتِ مسلمہ۔

یہ آپ کے مرکزی عنوانات ہیں، ان کے علاوہ کچھ تحریریں تاریخی اور دیگر موضوعات پر بھی ہیں، آپ کی حیات و خدمات پر مولانا اعجاز انجم لطیفی کٹیہاری استاذ جامعہ منظر اسلام بریلی شریف نے تحقیقی مواد جمع کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی ہے۔ آپ کا یہ تحقیقی مقالہ پروفیسر صاحب کی حیات ہی میں کراچی سے شائع بھی ہو چکا ہے، جو لگ بھگ ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

پروفیسر مسعود احمد صاحب نے سب سے زیادہ سیرت و سوانح پر لکھا ہے، سب سے پہلے اپنے والد گرامی مفتی اعظم دہلی حضرت مولانا مظہر اللہ نقشبندی علیہ الرحمہ پر، پھر مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی علیہ الرحمۃ پر پھر سب سے زیادہ مجددِ اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ پر لکھا، دیگر شخصیات پر بھی آپ کی کتابیں اور مقالات ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ مختلف موضوعات پر علما و دانشوران کی لکھی کتابوں پر آپ کی تقاریظ، تعارف اور تقدیمات بھی ہیں، جن کو جمع کیا جائے تو کئی جلدیں ہو جائیں۔ صرف اعلیٰ حضرت کے حوالے سے لکھی ہوئی کتابوں پر جو تقریظات و مقدمات ہیں وہ آئینۂ رضویات کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہو چکی ہیں، البتہ ہندوستان میں اب تک ان کی اشاعت کی سوچ نہیں بن پائی ہے۔

سیرت و سوانح پر لکھی آپ کی کتابوں کو بھی شہرت ملی اور خوب شائع ہوئیں، لیکن عقائد و معمولات اور اصلاح معاشرہ کے تعلق سے آپ کی تصانیف و مقالات کو خاطر خواہ نہ تو شائع کیا گیا، نہ ان کی افادیت کو محسوس کیا گیا، جو قابلِ افسوس ہے، ذیل میں ان خاص دو موضوعات پر آپ کی چند کتابیں یہ ہیں جو توجہ کی طالب ہیں:

(۱) نور و نار [رد عباراتِ گستاخانۂ تقویۃ الایمان۹ (۲) مظہر العقائد (۳) تقلید [تقلید کی اہمیت و ضرورت پر بہترین تحریر] (۴) تعظیم و توقیر (۵) علم غیب اور آئندہ کی خبریں (۶) جانِ ایمان (۷) جانِ جاناں (۸) عیدوں کی عید [جشن میلادِ پاک] (۹) نئی نئی باتیں [بدعت کیا ہے؟] (۱۰) جشنِ بہاراں [عید میلاد] (۱۱) سلام و قیام (۱۲) نسبتوں کی بہار (۱۳) موجِ خیال [اصلاحی مضامین] (۱۴) پیغامِ مسعود [نصائح] (۱۵) زندگی بے بندگی شرمندگی [اپنی اصلاح آپ کرنے کا جذبہ بیدار کرنے والی تحریر] (۱۶) روحِ اسلام [تصوف کے موضوع پر ایک اچھوتی تحریر] (۱۷) عورت اور پردہ (۱۸) لباسِ حضور [لباس کی سنتوں کا بیان] (۱۹) سیرت رسول اور ہماری زندگی [تلخیص جانِ ایمان از راقم الحروف] (۲۰) محبت کی نشانی [داڑھی کی سنیت اور اس کی قدر و قیمت پر ایک بے نظیر مقالہ] (۲۱) نرمی و آسانی

(۲۲) رواداری۔

آخر الذکر کتاب "محبت کی نشانی" ایک ایسے مسئلے پر لکھی گئی ہے جس کی عصر حاضر میں سخت ضرورت ہے، خصوصاً اپٹوڈیٹ طبقہ اسلام کے جس شعار عظیم سے بڑی حد تک غفلت برت رہا ہے، پروفیسر صاحب نے بڑے دل نشیں اور دل گداز انداز میں اس پر روشنی ڈالی ہے، محبت کیا ہے، محبت کے تقاضے کیا ہیں؟ محبت کی نشانیاں کیا ہیں؟ اور بندۂ مومن کے چہرے پر محبت کے آثار کی کیا اہمیت ہے؟ اس کتاب نایاب میں آپ نے ان پہلوؤں کو بڑے درد مند اسلوب میں پیش کیا ہے اور دلوں میں پیوست ہو جانے والا انداز اختیار کیا ہے، "دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے" کی سچی تصویر ہے یہ تحریر پر تنویر۔ اردو میں تو یہ کتاب شائع ہو کر ہند و پاک اور عالم اسلام میں مشہور و مقبول ہو چکی ہے اور ہنوز اس کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے، لیکن آج جب کہ ہندی زبان و ادب کا خوب چرچا ہے اور نوجوان طبقہ بطور خاص اس زبان سے واقفیت رکھتا ہے تو ضرورت تھی کہ اس بیش قیمت مواد کو بھی ہندی کا لباس پہنایا جاتا اور اس کی خوشبوؤں سے ہندی داں طبقے کو بھی محظوظ و مستفید ہونے کا موقع دیا جاتا۔ اسی ضرورت کی تکمیل کے مد نظر عزیزی مولوی محمد مغیث احمد قادری رضوی سلطان پوری سلمہ نے اپنی سی کوشش کر کے ہندی میں کمپوز کر دی اور کتاب المجمع الاسلامی مبارک پور سے شائع ہو گئی۔

حضرت پروفیسر محمد مسعود صاحب نے ایک تڑپتا ہوا دل پایا تھا، انکسار و تواضع آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ ہر ایک سے ٹوٹ کر ملنا آپ کا شیوہ تھا، ہر ایک کی طلب پر لبیک کہنا آپ کا وطیرہ تھا، بزرگوں کی روش اور صوفیوں کے طریقے پر پورے طور سے کاربند تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر اور ادیب ہوتے ہوئے بھی فقیرانہ زندگی اپنا رکھی تھی۔ آپ کی مجلس باغ و بہار ہوا کرتی تھی، آپ کی زبان فیض ترجمان سے نکلتا ہوا لفظ مواعظ حسنہ اور نصیحتوں کا خزینہ ہوا کرتا تھا۔ "پیغام مسعود" نامی کتابچہ انھیں قیمتی موتیوں سے بھرا پڑا ہے۔ ذیل میں آپ کے ارشادات کا ایک نمونہ اہل دل کے سپرد ہے۔ پڑھیں، عبرت حاصل کریں اور عمل پیرا ہونے کی بھرپور کوشش کریں۔

(۱) اخلاص عمل کی جان ہے۔

(۲) اچھی سیرتیں اچھی صورتوں سے بہتر ہیں۔

(۳) انسان سازی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

(۴) اللہ کا خوف زندگی کو متوازن بناتا ہے۔

(۵) معاملے سے انسان کھلتا ہے۔

(۶) جس سے اللہ محبت فرماتا ہے اس سے نفرت کرنے والے ذلیل ہوتے ہیں۔ (یعنی اللہ کے محبوبوں سے الجھنے والا ذلیل ہوتا ہے)

(۷) محض زبان سے اللہ کا نام لینا ذکر نہیں، دل میں جم جانا اور فکر و شعور پر چھا جانا ذکر ہے۔

(۸) شریعت صحت کی بھی ضامن ہے اور حسنِ معاشرت کی بھی۔

(۹) تقویٰ سے زندگی نکھرتی ہے۔

(۱۰) عقیدت جب عقیدہ بنتی ہے تو مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ (یعنی عقیدت محبت پیدا کرتی ہے نہ کہ خصومت)

(۱۱) تن کی صفائی سے زیادہ من کی صفائی کی ضرورت ہے۔ (اور آج اسی کا فقدان ہے)

(۱۲) تربیت، تعلیم پر مقدم ہے۔

(۱۳) دنیا کی محبت انسان کو نظر سے گرا دیتی ہے (جب کہ دین کی محبت بلندیوں سے ہم کنار کرتی ہے)

(۱۴) نعت شریف سنگ دلوں کا علاج ہے اور نرم دلوں کی بہار

(۱۵) دوسروں کی غلطی پر نظر رکھنے والا خود کو نہیں بنا سکتا۔

(۱۶) مبارک ہے وہ جو دوسروں سے توقع (امید) نہ رکھے۔

(۱۷) اچھی صحبت بناتی ہے، بری صحبت بگاڑتی ہے۔

(۱۸) دوسروں کی خدمت کرنے میں جو لطف ہے اپنی خدمت کرانے میں نہیں۔

(۱۹) ہم گھروں کو تو صاف کرتے ہیں دلوں کو نہیں۔

(۲۰) ہم اللہ کے بندے ہیں، اس کا کہا نہیں مانتے تعجب ہے!

(۲۱) وقت انمول ہے اس کو ضائع نہ کریں۔

(۲۲) منظم زندگی بسر کریں تاکہ وقت ضائع نہ ہو۔

(۲۳) بڑائی کے کام کریں مگر بڑائی کی آرزو نہ کریں۔

(۲۴) اسلام زندگی ہے جو اس سے بیزار ہے زندگی سے بیزار ہے۔

(۲۵) ہم اتحاد سے ڈرتے ہیں جیسے کوئی سیلاب سے ڈرتا ہے، کیسی عجیب بات ہے!

(۲۶) ہم اللہ اور رسول (ﷺ) سے نہیں شرماتے، مخلوق سے شرماتے ہیں، حیرت ہے!

(۲۷) داناکو دانے کی فکر نہیں ہوتی (علم وعقل والا رزق کے لیے فکر مند نہیں ہوتا)

(۲۸) عیش طلب ہمیشہ دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔

(۲۹) بندگی میں زندگی ہے (ورنہ مردنی ہے)

(۳۰) پیروں کو دنیا کی محبت زیب نہیں دیتی

(۳۱) کام توفیقِ الٰہی سے بنتے ہیں علم و دانش سے نہیں۔

(۳۲) گستاخ و بے ادب کسی رعایت کے مستحق نہیں۔

(۳۳) بزرگوں کی عیب چینی، بدبختی کی علامت ہے۔

(۳۴) سیاست اور قرض کی لت چھوٹتی نہیں۔

(۳۵) آرزوؤں کو چھوٹ دی جائے تو سرپٹ دوڑتی ہیں (خواہشات دراز ہی ہوتی رہتی ہیں)

(۳۶) بچے زیادہ ہوں تو ضرور ایک کو حافظ و عالم بنائیں۔

(۳۷) آپسی جھگڑوں میں مفتیانِ شریعت سے اسلامی حکم معلوم کر کے عمل کریں، کچہریوں میں پیسے اور وقت ضائع نہ کریں۔

(۳۸) صورت و سیرت ایسی بنائیں کہ دور سے پہچانے جائیں۔

(۳۹) وہ مسلمان ہی کیا جس کو تعارف کی ضرورت ہو (اس کا اخلاق و کردار خود بہترین تعارف ہے)

(۴۰) اسلام نے ہم کو بہت کچھ دیا ہے بس سنبھال کر رکھنے کی ضرورت ہے۔

(۴۱) ہر حال میں اسلامی تشخص قائم رکھیں۔

(۴۲) اسلام سے شرمائیں نہیں (یہ خدا کا دین ہے) اس پر فخر کریں۔

(۴۳) اللہ پر بھروسا کریں اور اپنے کو ایک عظیم قوت تصور کریں۔

(۴۴) جدید تہذیب و تمدن اپنا کر کوئی بڑا نہیں ہوتا (علم و عمل سے آدمی بڑا ہوتا ہے)

(۴۵) بڑا وہ ہے جس کا سینہ عشقِ مصطفٰے سے روشن ہے۔

(۴۶) ہماری عظمت و شوکت کا راز ایمان و یقین اور اتباعِ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں مضمر ہے۔

(۴۷) اہلِ ثروت (متمول) حضرات باصلاحیت اور ذہین طلبہ کی (جو ضرورت مند ہوں) کفالت کریں۔

(۴۸) بچوں کو بہر حال زیورِ علم سے آراستہ کریں۔

(۴۹) سادگی اپنائیں فضول خرچی سے بچیں۔

(۵۰) قرض نہ لیں کہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مقروض کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

(۵۱) زندگی بے بندگی شرمندگی۔

(منقول از پیامِ مسعود، مسعودِ ملت کے اقوالِ زریں)

حضرت مسعودِ ملت علیہ الرحمہ نے یہ ارشادات آیاتِ قرآنی، احادیث اور بزرگانِ سلف کے اقوال کی روشنی میں اپنے خاص ادیبانہ رنگ میں مرتب و منضبط فرمائے ہیں جو آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ ☆☆☆

(ص:۱۳ کا بقیہ).... اور ہر چیز قربان کرنے کو حاصل حیات سمجھتا ہے، کی شان میں کوئی گستاخی کرے اور وہ قانون کی گرفت سے آزاد رہے۔ تاریخ کی یہ ایک معروضی حقیقت ہے کہ ماضی میں برطانیہ، امریکہ، روس اور یورپ کے کسی ملک میں بھی جب تک چرچ اور اسٹیٹ، دین اور ریاست، ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہوئے تھے، اس وقت تک سارے ملکوں میں چرچ کو مملکت پر برتری حاصل تھی اور وہاں یسوع مسیح کی پرستش ہوتی رہی۔ اس کے درپردہ کلیسا کو ملک کے سیاہ و سفید پر اقتدار کلی حاصل تھا، جس نے نشہ اقتدار میں بدمست ہو کر انسانیت پر لرزہ خیز مظالم کئے جس کے خلاف بغاوت کے نتیجہ میں چرچ اور مملکت، دین اور سیاست کی تفریق عمل میں آئی۔ اس لیے ان ملکوں نے سیکولر یعنی لادینی طرز حکومت کو اپنا لیا۔ اس کے باوجود ذوق پرستش ختم نہ ہو سکا اور اس نے ایک نئی صورت اختیار کرلی۔ اب یسوع مسیح کی بجائے ریاست کو فیٹش (Fetish) یعنی پوجمان شے بنا لیا گیا اس لیے دنیا میں جہاں جہاں بھی سیکولر حکومتیں قائم ہوئیں وہاں ریاست کی مخالفت کو سنگین جرم بغاوت اور غداری قرار دیا گیا۔ آج دنیا کے تمام ملکوں میں خواہ وہ سیکولر ہوں، یا غیر سیکولر، جرم بغاوت کا قانون موجود ہے، جس کی سزا سزائے موت مقرر ہے۔ جو لوگ اس جرم کے الزام میں ماخوذ ہوں، انہیں گولیوں سے اڑا دیا جاتا ہے یا پھر انہیں تختہ دار پر کھینچا جاتا ہے۔ امریکہ جیسے مہذب اور ترقی یافتہ ملکوں میں انہیں گیس چیمبر زیا الیکٹرک چیئر میں بٹھا کر اذیت ناک طریقہ سے مار دیا جاتا ہے اور جس ملک میں اس جرم کی سزا عمر قید ہے وہاں ایسے ملزموں کو عقوبت خانوں میں تڑپ تڑپ کر مرنے کے لیے بند کر دیا جاتا ہے۔ اس قانون کے خلاف آج تک کسی نے لب کشائی نہیں کی تو پھر کیا پاکستان ہی میں جو اس محسن انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبتِ غلامی کی وجہ سے معرض وجود میں آیا، ان کی عزت و ناموس پر حملہ کرنے والوں کے خلاف قانونِ توہینِ رسالت، قابل اعتراض قانون ہے؟؟؟

☆☆☆

موجودہ دور میں صحافت کی اہمیت

توسیعی خطبہ برائے 'یوم مفتی اعظم ہند' الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، ۲۵ر فروری ۲۰۱۶

ڈاکٹر افضل مصباحی

صحافت کیا ہے؟

روزرونما ہونے والے واقعات، حادثات، تہذیبی ،ثقافتی اور تفریحی سرگرمیوں وغیرہ کی اطلاعات عام لوگوں تک پہنچانے کے عمل کو صحافت، جس توسط سے یہ عمل انجام دیا جائے، اسے میڈیا اور جو لوگ اس پیشے سے منسلک ہیں انہیں صحافی، جرنسلٹ یا پترکار کہا جاتا ہے۔ ایف۔ فریزر بونڈ لکھتے ہیں:

The author expresses his own thouths and experience: the journalist expresses those of the community. Literature can be timeless: journalism must not be timeless.

صحافت کا بنیادی عنصر 'ترسیل' (Communication) ہے۔ یعنی صحافت میں ترسیل کے فرائض انجام دئے جاتے ہیں ۔ انگریزی میں کمیونی کیشن کی تعریف یوں کی جاتی ہے:

'The process of sending and receiving message is called communication'

صحافت کو عجلت میں لکھا گیا ادب بھی کہتے ہیں۔

ایڈ منڈ برک لکھتے ہیں:

" The story of the world for a day is Media"

(دنیا کی ایک روزہ کہانی کا نام میڈیا ہے)۔

صحافت بنیادی طور پر خبر نویسی ہے، لیکن عملاً خبر نویسی، بہت سی چیزوں کا مرکب ہے۔ یہ ایک 'موقر' پیشہ ہے اور اس سے وابستہ لوگ جو ایمانداری سے اپنی ذمہ داری نبھاتے ہیں وہ توقیر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

لغوی تشریح:

'صحافت' عربی کا لفظ ہے، جو 'صحیفہ' سے مستعار ہے۔ اس کا لغوی معنی 'مطبوعہ صفحہ' ہے۔ عربی لفظ صحیفہ کا مترادف انگریزی لفظ Journal ہے۔ صحافت کو انگریزی میں Journalism کہتے ہیں، جو لفظ Journal سے بنا ہے، جس کے معنی روزنامچے، روزانہ حساب کے بھی کھاتے اور رسالے وغیرہ کے ہیں۔

صحافت کے مقاصد:

۱۔ اطلاعات فراہم کرنا۔ To inform

۲۔ ذہن سازی کرنا۔ To educate

۳۔ انٹرٹین منٹ۔ To intertain

صحافت خواہ کسی بھی زبان میں ہو اور میڈیا کسی بھی نوعیت کا ہو، اس کے مقاصد مذکورہ تینوں امور کے اردگرد گھومتے ہیں ۔ جدید ٹیکنالوجی کی وجہ سے اس وقت پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کی ایسی ایسی قسمیں ہمارے سامنے موجود ہیں، جن کا تصور آج سے پچاس سال پہلے شاید کسی نے بھی نہ کیا ہو۔ میں نے اس پیشے کے لیے 'موقر' کا لفظ قصداً استعمال کیا ہے۔ اس لیے کہ صحافت کا اصل مقصد اسی وقت پورا ہو سکتا ہے، جب اس کے فرائض مثبت انداز میں ادا کیے جائیں اور یہ پیشہ اسی وقت 'موقر' ہوگا جب نیک مقاصد کے لیے متعیّنہ اصول وضوابط اور اخلاقیات کے معیار کے مطابق اس کو انجام دیا جائے، یعنی نصب العین اخلاقاً درست اور قانوناً جائز ہو۔ یہیں سے ہمیں میڈیا کے لیے اسلامی اصول وضوابط کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

زرد صحافت (Yellow Journalism)

مثبت کے بجائے ذرہ برابر بھی منفی کردار کا گزر ہو تو ہم اسے 'صحافت' کے بجائے 'زرد صحافت' (Yellow Journalism) کا نام دیتے ہیں ۔ ایک زمانہ ایسا تھا جب عریاں یا نیم عریاں تصاویر کی اشاعت کو زرد صحافت کہتے تھے۔ زرد اوراق پر شائع ہونے والے ان مخرب اخلاق مواد کے لیے Yellow Journalism کی اصطلاح عام ہوئی، جس کا عموماً یہ مطلب نکالا گیا کہ ایسی صحافت جو مہذب معاشرے کے لیے ناقابل قبول یا ناپسندیدہ ہو۔ اسے دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں

اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اردو و فارسی، ڈاکٹر ہری سنگھ گور یونیورسٹی، ساگر، ایم۔ پی، afzalmisbahi@gmail.com

کہ غیر مستحسن صحافت کا نام Yellow Journalism ہے۔ اسی لیے جب وسیع تناظر میں ہم دیکھتے ہیں تو ہر وہ صحافت جو اخلاقاً درست نہ ہو، قانوناً جائز اور سماج کے کسی بھی طبقے کے لیے مقبول نہ ہو وہ زرد صحافت ہے۔ خواہ وہ عریاں یا نیم عریاں تصاویر ہوں یا کسی مذہب، مذہبی رہنما، سماج، قوم، طبقہ، ذات، نسل اور گروہ کی کردار کشی ہو۔ اس طرح کی تمام صحافت کا شمار 'منفی صحافت' میں ہوسکتا ہے اور مفہوم کے اعتبار سے اسے 'زرد صحافت' کہہ سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے جن چیزوں سے منع کیا ہے، صحافت کے پیشے میں بھی ان میں سے بیشتر چیزیں ممنوع ہیں۔

صحافت کی قسمیں

ا۔ پرنٹ میڈیا۔ ۲۔ الیکٹرانک میڈیا۔

۳۔ نیو میڈیا۔ ۴۔ پرنٹ میڈیا

پرنٹ میڈیا میں تمام نوعیت کی کتب، اخبارات، رسائل، جرنلز، کیٹلاگس، براؤشرز، ہینڈ آؤٹس، پوسٹر اور دیگر مطبوعہ دستاویزوں کا شمار ہوتا ہے۔ ایسے خطوط جو بڑے پیمانے پر لوگوں کے درمیان سرکلیٹ کیے جاتے ہیں، ان کا شمار بھی پرنٹ میڈیا میں کیا جاسکتا ہے۔ یہ عوامی ذرائع ابلاغ میں سب سے قدیم ذریعۂ ابلاغ ہے۔ اسے پڑھنے کے لیے حروف کی شناخت اور زبان کی معلومات ضروری ہے۔

پرنٹ میڈیا میں افکار و نظریات، ذہن سازی اور تفریحی مواد تحریر کی شکل میں فراہم کرائے جاتے ہیں۔ عام لوگوں تک خبریں اور اطلاعات کی فراہمی کے لیے صدیوں سے پرنٹ میڈیا کا استعمال کیا جارہا ہے۔ اس وقت پرنٹ میڈیا میں سب سے مؤثر ذریعہ ابلاغ 'روزنامہ' ہے۔ یہ کہنا شاید بہت ہی مشکل ہوگا کہ موجودہ دور کے اخبارات میں کیا نہیں ہوتا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت کے اخبارات زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہیں۔ ان میں گوناگوں اطلاعات اور قابل مطالعہ مواد ہوتے ہیں۔ قومی اور بین الاقوامی خبریں، تاریخ، حالات حاضرہ، سرکاری اعلانات، عدالتوں کے فیصلے، عوامی رائے، کھیل کود، تہذیب و تمدن، پیار و محبت، شعر و شاعری، پیدائش و موت، جرائم، کارٹون، اشتہارات، مضامین، اداریے، نیوز رپورٹ، خبروں کے تجزیے، قارئین کے خطوط، سیاسی، سماجی، معاشی اور تہذیبی سرگرمیاں، تعلیم، ملازمت، صحت، طب، سائنس و ٹیکنالوجی وغیرہ سے متعلق معلومات، ایجادات و انکشافات، علمی، ادبی، طبی اور ثقافتی سرگرمیاں، تنقید، تبصرے، پروفائل، لطیفے اور چٹکلے، شہروں کی سرگرمیاں، لیکچرز، حکایات، تقریریں، سمینار، جلسے جلوس، کانفرنس، ورکشاپ، طبی کیمپ، میلے، فلم، موسم کے حالات، تجارت، صنعت و حرفت وغیرہ سے جڑی اطلاعات اور فیچرز وغیرہ روزناموں کے مشمولات ہیں۔ گویا آج کے اخبارات زندگی کے تمام گوشوں پر محیط ہیں۔

روزناموں کے بعد، سہ روزہ و ہفت روزہ اخبارات، رسائل اور جرنلز وغیرہ کا نمبر آتا ہے۔ سہ روزہ اور ہفت روزہ اخبارات کا تعلق روزانہ کی خبروں سے نہیں بلکہ رونما ہونے والے اہم واقعات پر تبصروں سے ہوتا ہے۔ وہ اہم واقعات سیاسی بھی ہوسکتے ہیں اور غیر سیاسی بھی۔ ان کے مشمولات روزناموں کے مشمولات سے کسی قدر مختلف ہوتے ہیں۔ ان میں تجزیاتی رپورٹیں، حالات حاضرہ پر تبصرے، Ever Green کچھ خبریں وغیرہ بھی شامل ہوتی ہیں۔ انہیں مؤثر اور کارآمد بنانے کے لیے ان دنوں بیشتر شماروں میں کسی اہم موضوع پر ماہرین کی آراء اور خصوصی رپورٹ شائع کی جاتی ہیں، تاکہ اسے دستاویزی حیثیت حاصل ہو سکے۔ پندرہ روزہ یا ماہانہ میگزین، رسالوں، جرنلز، ڈائجسٹ اور کسی خاص گروپ کے رسالوں میں وقتی دلچسپی کا مواد نہ کے برابر ہوتا ہے۔ پرنٹ میڈیا کی ان قسموں کو مختلف خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ کچھ تو سیاسی ہوتے ہیں اور کچھ غیر سیاسی اگر غیر سیاسی ہیں، تو ان میں سے کچھ مذہبی ہوتے ہیں اور کچھ تعلیمی، کھیل کود، سائنسی، تجارتی، طبی اور ادبی وغیرہ ہوتے ہیں۔

کچھ نیم سیاسی، نیم مذہبی، نیم ادبی، نیم معلوماتی اور تفریحی مواد کی شکل میں ہوتے ہیں۔ جو مذہبی ماہنامے تعلیمی اداروں سے منسلک ہوتے ہیں، ان میں اداروں کی سرگرمیاں اور مذہب کی ترویج و اشاعت کا خاصا مواد ہوتا ہے۔ جو رسالے تجارتی ہوتے ہیں، ان میں مصنوعات کو فروغ دینے کے مقصد سے مواد شائع کیا جاتا ہے۔ اس زمرے میں اداروں یا خاص گروپوں کے رسالے بھی شامل ہیں۔ رسالہ جس گروپ کا ہوتا ہے، اس میں اسی کی نمائندگی ہوتی ہے۔ (مسلک کے اعتبار سے بھی مواد بدل جاتا ہے۔) عام طور پر جرنلز اور ڈائجسٹ میں نیم ادبی، نیم معلوماتی اور تفریحی مواد شائع کیے جاتے ہیں۔ جرنلز اور ڈائجسٹ میں مواد اس طرح ترتیب دئے جاتے ہیں کہ کم پڑھے لکھے لوگ بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ ڈائجسٹ میں موضوعات بہت متنوع ہوتے ہیں۔

اداروں اور خاص گروپ کے رسالے کسی نہ کسی پیشے اور گروپ سے متعلق ہوتے ہیں۔ جیسے طبی رسالے، سائنسی رسالے، کسی خاص ہنر

سے متعلق رسالے، اس میں ہاؤس جرنل بھی شامل ہیں۔ ہاؤس جرنلز تجارتی اداروں کی سرپرستی میں اپنے ملازمین کی دلچسپی کے لیے شائع کیے جاتے ہیں۔ اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور مدارس وغیرہ سے شائع ہونے والے رسالے اور ماہنامے بھی ہاؤس جرنل کہلاتے ہیں۔ ماہنامہ اشرفیہ کا شمار بھی ہاؤس جرنل میں ہوگا۔ کچھ رسالے بچوں کے لیے مخصوص ہوتے ہیں، جن میں بچوں کے لیے مواد شائع کیے جاتے ہیں، کچھ رسالے خواتین کے لیے مخصوص ہوتے ہیں، کچھ فلمی ہوتے ہیں، کچھ کھیل کود کے ہوتے ہیں۔ ادبی رسالوں کا بھی خوب رواج ہے۔ غرضیکہ جو رسالہ جس فیلڈ کے لیے خاص ہوتا ہے، اس میں مواد بھی اسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔

ملٹی ایڈیشن:

پرنٹنگ پریس کی ایجاد ۱۴۴۷ء میں جان گٹمبرگ نے کی۔ اس سے پرنٹنگ کی دنیا میں ایک انقلاب آیا۔ پھر جیسے جیسے زمانہ ترقی کرتا گیا نئی نئی مشینیں بھی سامنے آتی گئیں۔ آج ہمارے سامنے پرنٹنگ پریس کی ترقی یافتہ شکل موجود ہے، جو آدھے گھنٹے میں ہزاروں اخبارات چھاپ کر، بنڈل باندھ کر تیار کر سکتی ہے۔ پرنٹنگ مٹیریل کی ترسیل کا کام بھی اب بہت آسان ہوگیا ہے۔ ایک شہر سے دوسرے شہر مکمل اخبار تیار کرکے انٹرنٹ، وی سیٹ اور موڈم وغیرہ سے ارسال کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے ایک ہی کام بار بار کرنے سے نجات مل گئی۔ روزناموں کے ملٹی ایڈیشن کا خواب بھی شرمندۂ تعبیر ہو چکا ہے۔ اردو، ہندی اور انگریزی وغیرہ کے اخبارات کئی کئی شہروں سے بیک وقت شائع کیے جاتے ہیں۔ پورا کا پورا اخبار سکنڈوں میں ایک شہر سے دوسرے شہر ارسال کر دیا جاتا ہے۔ اسے پرنٹ میڈیا کی معراج کہا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر روزنامہ انقلاب جس کا میں ایڈیٹوریل انچارج تھا، وہ ایک ساتھ کئی شہروں سے شائع ہوتا ہے، لیکن اخبار تیار کرنے کا کام نوئیڈہ میں ہوتا ہے۔ رات کے دس بجے پورا اخبار تیار کرکے الگ الگ شہروں سے اشاعت کے لیے انٹرنیٹ کے ذریعہ ارسال کر دئے جاتے ہیں۔

الیکٹرانک میڈیا:

الیکٹرانک میڈیا میں ٹیلی ویژن، ریڈیو اور فلم وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔

نیو میڈیا:

نیو میڈیا میں انٹرنیٹ اور موبائل کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ جدید ذرائع ابلاغ میں انٹرنٹ اور موبائل کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اسے نیو میڈیا (New Media) کہتے ہیں۔ اس کی مقبولیت روز بروز بڑھ رہی ہے۔ نیو میڈیا کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ عوامی ترسیل کا ذریعہ ہوتے ہوئے بھی یہ اپنے ناظرین کے درمیان باہمی روابط (Interactivity) کا موقع فراہم کرتا ہے۔ ای میل، بلاگ، فیس بک، یوٹیوب، ٹویٹر اور سوشل نیٹ ورکنگ سائٹس وغیرہ کا شمار 'نیو میڈیا' میں ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نیو میڈیا کے توسط سے آئے دن کوئی نہ کوئی بحث زور پکڑتی رہتی ہے۔ سوشل نیٹ ورکنگ سائٹس، فیس بک اور ٹویٹر وغیرہ پر نئے نئے مسائل زیر بحث آتے ہیں۔ نیو میڈیا کو الیکٹرانک میڈیا میں انقلاب کی حیثیت حاصل ہے۔ آن لائن نیوز پیپر کا شمار بھی نیو میڈیا میں کیا جاسکتا ہے۔

نیو میڈیا نے دیگر ذرائع ابلاغ کو دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پرواز کی صلاحیت عطا کردی ہے۔ مثلاً انٹرنٹ کی وجہ سے دوسرے ترسیلی ذرائع کی بہت سی مشکلات پلک جھپکتے ہی دور ہو جاتی ہیں اس کے ذریعہ چند لمحوں میں مکمل اخبار، کسی بھی نوعیت کی تحریر، تصویر یا ویڈیو وغیرہ جہاں چاہیں آسانی کے ساتھ ارسال کر سکتے ہیں۔ نیو میڈیا نے اپنے اندر دیگر ذرائع ابلاغ کو یکجا کر لیا ہے۔ اخبارات، میگزین، ریڈیو اور ٹیلی ویژن وغیرہ انٹرنٹ پر دستیاب ہیں۔ انٹرنٹ پر تمام موضوعات کی کتابیں، شعرا اور ادیبوں کے حالات اور رسالے وغیرہ بھی موجود ہیں۔ اس پر ای-پیپر اور ای-لائبریری کو بھی متعارف کرایا جا چکا ہے۔ پوری کی پوری لائبریری انٹرنیٹ پر دستیاب کرانے کا رواج زور پکڑ رہا ہے۔ تحقیقی کاموں کی کراس چیکنگ بھی انٹرنٹ کے ذریعہ انجام دی جاتی ہے۔ اہم شخصیات کی سوانح اور ان کی تصاویر وغیرہ انٹرنٹ پر آسانی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ نیو میڈیا نے اپنے اندر ایک پوری دنیا بسا لی ہے، تو شاید غلط نہ ہو۔ اس کے ذریعہ ہر کام اتنا آسان ہوگیا ہے، جس کا تصور بھی اس کے بغیر نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ای-میل کے ذریعہ گھر بیٹھے پوری دنیا میں سکنڈوں میں اپنا خط یا کوئی بھی تحریری و تقریری مواد ارسال کر سکتے ہیں، Chatting کی جاسکتی ہے، بات چیت کی جاسکتی ہے، ایک دوسرے کی تصاویر لائیو (براہ راست) دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہ سب انٹرنٹ کا کمال ہے۔ انٹرنٹ کو اس وقت مؤثر ترین ذریعۂ ابلاغ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے ذریعہ آسانی کے ساتھ ہر طرح کی پیغام رسانی کا فریضہ انجام دیا جاسکتا ہے۔ خواہ تحریری پیغام ہو یا تقریری۔ بولنے والوں کے انداز بیان

کو بھی دنیادیکھ سکتی ہے اوران کے مکمل وجود کانظارہ بھی کر سکتی ہے۔ موبائل کے ذریعہ صرف بات کرنے کاکام نہیں لیاجاتا ہے،بلکہ اب اس پرانٹرنیٹ کی پوری سہولت دستیاب ہے۔ واٹسپ، میسیجنگ وغیرہ کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

صحافت کی اہمیت:

اکیسویں صدی صحافت یعنی میڈیاکی صدی ہے۔ پرنٹ،الیکٹرانک اور نیومیڈیامیں آئے انقلاب نے اکناف عالم میں بسنے والے انسانوں کے سوچنے، سمجھنے اور ردعمل کاجو طورطریقہ تبدیل کیاہے، وہ نگاہوں کے سامنے ہے۔ نیومیڈیاکے توسط سے جب عام لوگوں کواظہار خیال کاموقع ملاتومثبت اور منفی دونوں طرح کے رجحانات سامنے آئے۔ سماج دشمن عناصر بھی تیزی کے ساتھ سرگرم ہوگئے اور سماجی ترقی کے لیے سوچنے والوں کی رفتار بھی بڑھ گئی۔یعنی تعمیری اور تخریبی دونوں طرح کی سرگرمیوں میں اضافہ ہوااور قلیل وقفے میں لوگوں تک اپنے خیالات پہنچانے کی جدوجہد بھی شروع ہوگئی۔ظاہر ہے اس کے اثرات بہت جلد معاشرے پر مرتب ہونے لگے۔سوشل میڈیاپر مشتعل کرنے والے موادکی وجہ سے اب تک نہ جانے کتنی جانیں جاچکی ہیں اور انسانی بستی میں بدامنی کے حالات بھی پیدا ہورہے ہیں۔اس طرح کے واقعات کی ایک دونہیں سیکڑوں مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

☆ میں اپنی بات تیونس کی سرزمین پرایک سبزی فروش کی خود سوزی کے بعدرونماہوئے انقلاب کوحوالے میں پیش کرتے ہوئے آگے بڑھاناچاہوں گا۔وہ انقلاب جوچندبرسوں قبل شروع ہوا،اس کے عوامل پراگر غورکریں تومعلوم ہوگاکہ عام انسانوں کے ذہن ودماغ میں زمام اقتدار پر قابض حکمرانوں کے خلاف اندرہی اندرپھوٹ رہے لاوا کو تیزآندھی کے حوالے کرنے میں میڈیانے کلیدی کرداراداکیا۔ایک معمولی انسان کی خودکشی کو پرنٹ، الیکٹرانک اور بالخصوص نیو میڈیانے عام شہریوں کادردبناکراس طرح پیش کیاکہ دیکھتے ہی دیکھتے تیونس سمیت کئی ممالک اس کی زدمیں آگئے اور برسوں اقتدارپر قابض حکمرانوں اور تانا شاہوں کو محفوظ جائے پناہ ڈھونڈھنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس ایک واقعہ سے سبزانقلاب یاعرب اسپرنگ کی جوآندھی اٹھی وہ ابھی تک تھمی نہیں ہے بلکہ لیبیا، عراق، شام، بحرین، یمن اور مصروغیرہ میں اب بھی جاری ہے اور یہ سلسلہ اگردراز ہورہاہے تواس میں سب سے زیادہ دخل میڈیا کا ہے۔ان حالات میں عالمی امن پر صحافت کے کیااثرات مرتب ہوسکتے ہیں انہیں بغوردیکھنے اور حالات کی نزاکت کو پیش نظر رکھ کراقدامات کی ضرورت ہے۔

صحافت کا کینوس (دائرہ) بے حد وسیع و عریض ہے۔سائنسی ایجادات کی وجہ سے دنیاسمٹ کرہمارے سامنے آچکی ہے۔کسی بھی کونے میں بیٹھ کرایک انسان وسائل ابلاغ کے ذریعہ اپنی بات دنیاکے کونے کونے تک پہنچاسکتاہے۔اس کادائرہ اس قدر پھیلا ہواہے کہ اس کی سماجی، سیاسی، معاشرتی، تہذیبی، تمدنی، اخلاقی ہمہ گیری، وسعت اور معنویت کا ہم روزمشاہدہ کرتے ہیں ۔ اب وہ زمانہ نہیں رہاجب صحافت سرکاری اعلانات تک محدود تھی، آج یہ ترقی کی منزلیں طے کرتے ہوئے حکومتوں ،قوموں اور رہنماؤں کی قسمت کافیصلہ کرنے میں کلیدی کرداراداکررہی ہے۔کل تک جوصحافت چندراجاؤں، مہاراجاؤں کے ہاتھوں تک محدود تھی وہ آج پوری دنیاپر اپناسکہ جماچکی ہے اور قلمی اخبار سے آن لائن اخبار تک کالمباسفرطے کرکے اپنے وجود، اہمیت اور افادیت منوانے پر مجبور کرچکی ہے۔موجودہ صحافت اپنے اندر اتنی طاقت اور اثر رکھتی ہے کہ پل بھرمیں یہ دنیاکے امن وامان کوپامال کرسکتی ہے۔آئے دن ایسے حالات ہمارے سامنے آتے ہیں۔

امریکی پادری ٹیری جونس کی سرپرستی میں بنائی گئی فلم 'انوسنس آف مسلم' ہی کو آپ دیکھ لیں ۔ محض ۱۳؍منٹوں کی یہ فلم ایک محدود ذریعہ ابلاغ 'یوٹیوب' پراپ لوڈکی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیاکابیشترخطہ احتجاج اور مظاہروں کی زدمیں آگیا۔ 'یوٹیوب' اب تک ایک محدودذریعہ ابلاغ ہے،اس لیے کہ اس کا دائرہ گرچہ دنیاکاکونہ کونہ ہے، لیکن یہاں تک رسائی کم لوگوں کی ہے، بالخصوص ہندوستان میں تو بہت کم لوگ اسے استعمال کرتے ہیں ، اس کے باوجوداس نے ایساگل کھلایاکہ اس توہین آمیز فلم کی کہانی آن واحد میں دنیاکے کونے کونے تک پہنچ گئی اور پھر کیاحال ہوا، اس کے بارے میں سب واقف ہیں۔اس طرح کے حالات صرف میڈیاکی وجہ سے رونماہوئے۔

متنازعہ خاکوں کوشائع کرنے والے اخبار کے دفترمیں کیاکچھ ہوااس سے بھی ہم اچھی طرح واقف ہیں۔اس کے باجودایسے خاکوں کی نمائش کے لیے خصوصی اہتمام کیاجاتاہے اور اس کی خوب تشہیر کی جاتی ہے۔حالانکہ ایساکرنے والے بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس طرح کی حرکتوں کے غلط نتائج مرتب ہوں گے، لیکن پھر بھی ایساجان بوجھ کرکیاجاتاہے، تاکہ کچھ لوگ مشتعل ہوں اور ان کے ناپاک عزائم کی تکمیل

ہو، حالانکہ ایسا کرنے والے اپنی ہی راہوں پر کنواں کھودنے کا کام کر رہے ہیں۔ جب دنیا جلے گی تو وہ خود بچ جائیں گے، یہ کیسے ممکن ہے؟

میڈیا کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت عالمی طاقتیں پوری توانائی کے ساتھ میڈیا کو اپنے جائز و ناجائز مقاصد کے لیے استعمال کر رہی ہیں۔ مخصوص مذہب (اسلام) کے ماننے والوں کو دہشت گرد بناکر مطعون کرنے کے لیے میڈیا کا منظم طریقے سے استعمال کیا جارہا ہے۔ کسی بھی ملک کے خلاف محاذ آرائی کے لیے سب سے پہلے میڈیا کے ذریعہ اس کے خلاف جھوٹا پروپگنڈہ شروع کیا جاتا ہے اور جھوٹ کو اتنی شدت کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کہ لوگ آنکھ بند کر کے اسے سچ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

عراق کے پاس عام تباہی کے اسلحے کا الزام اور پھر اس صریح جھوٹ کے خلاف میڈیا کے ذریعہ پروپگنڈہ کی مہم، دنیا کو اس کا یقین دلانے کے بعد اس ملک کو تباہ و برباد کرنے کا پورا واقعہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ جب عراق پوری طرح تباہ ہوگیا، صدام حسین اور ان کے گھر والے مار ڈالے گئے، امریکہ کا مقصد پورا ہوگیا، پھر اس جھوٹ کا انکشاف ہوا۔ ابھی چند دنوں پہلے کی بات ہے کہ سابق برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیر نے عراق پر حملے کو اپنی غلط مان لی ہے اور عالمی برادری معافی بھی مانگی ہے، لیکن 'اب پچھتاوے سے کیا ہوگا جب چڑیا چگ گئی کھیت'۔ حالانکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جھوٹ کو سچ بناکر پیش کرنے میں میڈیا کا غلط استعمال کبھی مقصد کے حصول میں معاون بھی ہوسکتا ہے اور کبھی عالمی امن کو سبوتاژ کرنے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔

صحافت کی سیاسی قوت بھی مسلم ہے۔ حالیہ دنوں ہوئے ہندوستانی انتخابات میں آئے نتائج کی روشنی میں یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے۔ میڈیا کی اہمیت قانون ساز اسمبلیوں، حکومتوں اور عدالتوں سے کم نہیں ہے۔ جمہوری نظام کے اہم ترین ارکان پارلیمانی ادارے اور اخبارات (میڈیا) ہیں۔ جمہوریت کو تقویت بخشنے اور صحیح سمت پر رواں دواں رکھنے میں میڈیا کا اہم مقام رہا ہے۔ آئے دن میڈیا سے خوف کھاکر بھاگنے والے بدعنوان افسران، سیاستداں اور سرکاری ملازمین بخوبی دیکھے جاسکتے ہیں۔

مشہور خطیب اور پارلیمانی ماہر ایڈمنڈ برک نے اخبارات کے لیے 'چوتھے طبقہ' کا معزز لفظ استعمال کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اخبارات کو جمہوریت کا چوتھا ستون قرار دیا جاتا ہے۔ کسی بھی جمہوری حکومت میں قانون ساز ادارے یعنی پارلیمنٹ یا مقننہ (Legislature)، حکومت کا صیغۂ راز یعنی Executive اور حکام بحیثیت مجموعی یا عدلیہ یعنی Judiciary کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ موجودہ دور میں مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ ہی کی طرح 'میڈیا' کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے۔

المیہ: جمہوری نظام میں تو اس کی اہمیت اور بھی زیادہ ہے، لیکن ایک بڑا المیہ یہ بھی ہے کہ جمہوری حکومتوں میں بھی سماج کے کسی مخصوص طبقے کو نشانہ بنانے کے لیے میڈیا کا غلط استعمال زور و شور سے ہوتا رہا ہے۔ کسی طبقے کا نام لیے بغیر یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ عام میڈیا ہاؤس مخصوص مذاہب اور ان کے ماننے والوں کو آئے دن طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں، بلکہ کبھی کبھی تو غلط سے غلط حرکتوں کو بھی ان لوگوں سے موسوم کرنے سے باز نہیں آتے ہیں، جس سے سماج میں کشیدگی بڑھتی ہے اور معاشرے میں بسنے والوں میں دوریاں بڑھنے لگتی ہیں۔ ظاہر ہے اس کا اثر پورے سماج پر ہوتا ہے۔ ۹/۱۱ کے بعد ان حالات کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔ 'مائی نیم از خان اینڈ آئی ایم ناٹ اے ٹیررسٹ' فلم کو دیکھ کر اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اتنا ہی نہیں آئے دن ریلوے اسٹیشنوں اور ہوائی اڈوں پر ہمیں ان تجربات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

اعظم گڑھ کو آتنک گڑھ بناکر کس نے پیش کیا؟ میڈیا نے۔

میڈیا کے لیے ضروری ضابطے:

صحافت کی لاج رکھنے کے لیے صداقت، امانت، دیانت، شرافت اور نفاست کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں بھی انہیں بے حد اہمیت حاصل ہے۔ مذکورہ پانچوں الفاظ کے مفہوم کو سمجھے بغیر اس پیشے کے ساتھ ایمانداری برتنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بیشتر ملکوں نے اپنے اپنے یہاں اس پیشے کے لیے قوانین اور ضابطۂ اخلاق بنا رکھے ہیں، تاکہ کسی کی دلآزاری نہ ہو اور خوش اسلوبی کے ساتھ لوگ اپنی زندگی بسر کرتے رہیں۔ ہمارے ملک ہندوستان میں صحافتی ضابطۂ اخلاق میں مندرجہ ذیل باتیں ضروری قرار دی گئی ہیں:

"صحافی اپنے پیشے کو ایک مقدس امانت سمجھے اور ہمیشہ انسانی فلاح و بہبود کی خاطر انسانیت کی بقا اور امن کی ہر ممکن کوشش میں مصروف رہے، بنیادی انسانی حقوق اور سماجی جواب دہی کا خصوصی لحاظ رکھے، جملہ پیشہ ورانہ فرائض اور اخلاقی پابندیوں کا پاس رکھے،

ایسے معاملات میں غیر معمولی احتیاط برتتے جن میں رپورٹوں اور تبصروں کی وجہ سے بدامنی پھیل جانے کا خدشہ ہو، کوئی بھی تحریر ایسی نہ ہو جس سے ماحول میں منافرت اور کشیدگی بڑھے...''۔

امریکی ضابطۂ اخلاق میں کہا گیا ہے :

''عام فلاح و بہبود سے ہٹ کر جو بھی کوشش کسی ذاتی مفاد کے حصول کی خاطر کی جاتی ہے، وہ صحت مند صحافت کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔ رازدارانہ طور پر نجی اثر ورسوخ سے حاصل کی ہوئی خبروں کی اشاعت اس وقت تک نہ کی جائے جب تک کہ اعلانیہ طور پر خبریں حاصل کرنے کے وسیلہ کو ظاہر نہ کیا جائے۔ اخلاق، راست گوئی، درستی، قارئین کی خوشنودی اور مکمل اعتماد حاصل کرنا اصولی صحافت کے لیے بنیادی طور پر اہم اور ضروری ہے۔''

(اس ضابطۂ اخلاق کی دھجیاں آئے دن انہی طاقتوں کے زیر اثر اڑائی جاتی ہیں، جو اس کا دم بھرتے ہوئے نہیں تھکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ طاقتیں جب چاہتی ہیں کہ دنیا میں بے چینی پھیلے تو کبھی وہ پادری ٹیری جونس کو سامنے لاتی ہیں، کبھی سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسے لوگ سامنے آجاتے ہیں، کبھی کوئی کارٹونسٹ مہذب دنیا کو منہ چڑانے لگتا ہے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے کیا سے کیا ہو جاتا ہے!)

سچائی یہ ہے کہ صحافت تو خدمت خلق کا ایک وسیلہ ہے۔ یہ خدمت کامل طور پر اسی وقت ہو سکتی ہے، جب یہ موجودہ سماج کے مزاج سے پوری طرح میل کھائے۔ معاشرتی اخلاقیات اور اقدار سے ہٹ کر یا سماج کے مروّجہ اصولوں کی خلاف ورزی کرکے کوئی صحافت حقیقی صحافت اور ایماندارانہ صحافت کا کردار ادا نہیں کر سکتی ہے۔ اس لیے ایک ذمہ دار صحافی کے لیے ضروری ہے کہ مثبت خبروں کو عام کرنے کی کوشش کرے۔ ہر معاشرے میں اچھائیاں بھی ہوتی ہیں اور برائیاں بھی۔ ہر سماج میں قتل وغارت گری، شراب نوشی، جوابازی، زنا بالجبر، چوری، ڈاکہ زنی، غیبت اور اغوا وغیرہ کی واردات ہوتی رہتی ہیں۔ اگر صحافی ان جرائم کی خبروں کو اہمیت دیکر سماج کی صرف تاریک تصویر پیش کرنے میں مصروف ہو جائے (جیسا کہ آج کل اس کا رواج زور پکڑ چکا ہے) تو پھر اس کا معاشرہ اور سماج پر غلط اثر ہوگا۔ ایسی صورت میں ایک طرف عوام ان سے بدظن ہوں گے تو دوسری طرف اس کے برے نتائج بھی برآمد ہوں گے۔ اس لیے صالح معاشرے کی تشکیل کے لیے صحافی کی ذمہ داری ہے کہ وہ تعلیم، تدریس، کھیل کود، سائنسی ایجادات اور ثقافتی سرگرمیوں کو خصوصیت کے ساتھ عام کرے۔ یقیناً ہر روز معاشرے میں ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جن سے انسانی شرافت کی ٹپکتی ہے۔ اگر حوصلہ افزا باتوں سے معاشرے میں خوشگوار ماحول بنایا جائے تو یہ ہر اعتبار سے سود مند ہوگا۔ چنانچہ معاشرے اور سماج کو ذہن میں رکھتے ہوئے صحافیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اعتدال کی راہ اپنائیں۔ ہم عصر سماج کی صحیح عکاسی میں ہی اس کی بھلائی ہے۔ صحافت کا سماج پر چونکہ کافی اثر ہوتا ہے، اس لیے جرائم کی خبریں ایسے انداز میں ہرگز شائع نہ کی جائیں کہ قارئین کے ذہن و دماغ میں ان جرائم کے ارتکاب کی خواہش انگڑائیاں لینے لگے، بلکہ جرائم کی خبروں کو کچھ اس طرح پیش کیا جائے کہ قارئین جرم اور مجرم دونوں سے نفرت کرنے لگیں۔ دنیا کی سماجی اور معاشرتی زندگی میں صحافت کے اندر مثبت تاریخی کردار ادا کرنے کی صلاحیت کا ہونا ضروری ہے۔

سابق صدر جمہوریہ ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام نے ایک ہندی روزنامہ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ ہمارے سماج میں بہت سی اچھی باتیں بھی ہو رہی ہیں، اچھے کام بھی ہو رہے ہیں، انہیں میڈیا میں اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے 'نو نگیٹو نیوز' پر زور دیا تھا۔ انہوں نے بجا طور پر اشارہ بھی کیا کہ گاؤں میں جائیں اور معلوم کریں کس کسان نے سب سے زیادہ فصل اگائی، کس غریب کے بچے نے امتحان میں سب سے اچھا نمبر حاصل کیا، ان باتوں کو میڈیا میں نمایاں طور پر جگہ دینے کی ضرورت ہے۔ مذکورہ باتوں کے بین السطور پر غور کریں تو اس نتیجے پر پہنچنا آسان ہوگا کہ اس وقت میڈیا کی شبیہ منفی باتوں کو اجاگر کرنے کے طور پر سامنے آرہی ہے عصمت دری، قتل و غارت گری، لوٹ کھسوٹ، بدعنوانی وغیرہ کی خبریں خوب دلچسپی کے ساتھ پرائم ٹائم میں نشر کی جاتی ہیں، جب کہ ان جرائم کے خلاف کام کرنے والوں کی سرگرمیاں میڈیا سے غائب ہیں۔ کسانوں کی محنت، طلبہ کی کامیابی، سائنسدانوں کی تحقیقات، اساتذہ کی کاوش، سماجی کارکنوں کی جدوجہد عام طور پر میڈیا کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ یہ رجحان اس لیے خطرناک ہے کہ یہ صدی میڈیا کی صدی ہے اور میڈیا جس رخ پر گامزن ہوگا، سماج اور انسانی بستی میں رہنے والے لوگ بھی اسی راہ کو اختیار کریں گے۔ بدامنی پھیلانے والی تمام سرگرمیوں کو کم سے کم اگر میڈیا میں اجاگر کرنے کی پالیسی نہیں اپنائی گئی تو اس کے خطرناک نتائج مرتب ہوں گے اور یہ صورت حال امن کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھے گی۔...... **(باقی آئندہ)**

فکرو نظر

فیس بک کے ذریعہ دعوت وتبلیغ

چند اہم تجاویز

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں ۔ہم ارباب قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں ۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں ۔از: مبارک حسین مصباحی

مئی ۲۰۱۶ء کا عنوان	تفریحی مواقع اور ہماری اخلاقی قدریں
جون ۲۰۱۶ء کا عنوان	اردو اخبارات میں اسلامی موضوعات کی بے حرمتی

فیس بک کے ذریعہ تبلیغ، چند تجاویز

از: مولانا محمد ساجد رضا مصباحی، استاذ جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف

شہرہ آفاق سائنس دان مکلو ہسن نے ۶۰ویں دہائی کے اوائل میں پیشین گوئی کی تھی کہ جلد ہی دنیا ایک گلوبل ویلیج (Globule village) کی شکل اختیار کر لے گی ، انفار میشن ٹکنالوجی information (technology) کی حیرت انگیز ترقی کے سبب اس کی یہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوگئی ہے۔سماجی رابطے کی سائٹوں نے اس ضمن میں سب سے اہم کردار ادا کیا ہے۔عالمی سطح پر فیس بک Face book سماجی رابطوں میں سر فہرست ہے ، ایک عالمی ادارے کی رپورٹ کے مطابق نوے فیصد صارفین باہمی رابطوں کے لیے فیس بک کا استعمال کر رہے ہیں ، اپنے نظریات کی اشاعت اور اپنے افکار کی تبلیغ کا یہ ایک موثر اور آسان طریقہ ہے۔جنگل کی آگ کی طرح خبر کے پھیلنے کا محاورہ ہم سنتے آئے ہیں؛لیکن شوشل میڈیا کے زمانے میں اس کا صحیح مفہوم ہمیں سمجھ میں آرہا ہے۔جنگل کی آگ سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ لمحوں میں ایک خبر کو پوری دنیا میں پھیلانا سماجی رابطے کی ویب سائٹس کے ذریعہ آسان ہو گیا ہے، اس کے لیے نہ تو ہم پرنٹ میڈیا کہ محتاج رہ گئے ہیں اور نہ ہی الیکٹرانک میڈیا کے حاجت مند۔ چند دنوں قبل جب ممتاز قادری کی پھانسی اور اس کی تجہیز وتکفین اور تدفین کی خبروں کی اشاعت پر پاکستانی میڈیا پر پابندی عائد کر دی گئی تو شوشل میڈیا کی طاقت مزید کھل کر سامنے آئی ،ایک ایک لمحے کی رپورٹ اور ہر ہر نقل وحرکت کے مناظر ہم تک شوشل میڈیا ہی کے حوالے سے پہنچتے رہے۔

فیس بک اور دیگر شوسل سائٹس کا کی ہمہ گیریت اور وسعت کا عالم یہ ہے کہ اس کا استعمال جہاں ہمارے معاشرے کا اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ کرتا ہے وہیں معمولی پڑھے لکھے جوان بھی اس کا استعمال کر رہے ہیں اور بعض ناخواندہ افراد بھی شوشل سائٹس کے سہارے ترقی یافتہ سماج کا حصہ بنے ہوئے ہیں۔افسوس کی بات یہ ہے کہ ہماری قوم نے شوشل میڈیا کے مثبت استعمال کے بجائے اس کے ذریعہ جھوٹ ، فریب اور غلط پروپگینڈوں کی تشہیر کو اپنا مشغلہ بنا رکھا ہے، فرضی (Fake) اکاؤنٹ کے ذریعہ بڑے بڑوں کی پگڑیاں اچھالی جارہی ہیں ، جو باتیں سامنے نہیں کہی جاسکتی ہیں وہ شوشل میڈیا میں آکر بڑے طمطراق کے ساتھ کہی جارہی ہیں ۔آئے دن ہم فیس بک پر اپنی ہی جماعت کے علما کو معمولی باتوں پر دست وگریباں دیکھتے ہیں، فیس بک پر دیے جانے والوں فتوؤں کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ہماری نوجوان نسل کے فقہ وفتاویٰ کا سارا کام اب فیس بک پر ہونے لگا ہے، ان فیس بک زدہ مفتیوں کی گل افشانیاں دیکھ کر گریبان چاک کر لینے کو جی چاہتا ہے ۔ظلم بالائے ظلم یہ کہ کٹ پیسٹ (Cut Paste) کی سہولت نے ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کو اصحاب فکر وقلم بنا

ڈالا ہے۔ جس کے ضرر رساں نتائج آئے دن ہمارے سامنے آتے ہیں۔ آج شوشل میڈیا کی ہماہمی میں صحیح وغلط کے درمیان امتیاز اور کسی ایک نقطہ نظر پر جمنا ہمارے لیے دشوار سے دشوار تر ہوتا جارہا ہے۔

فیس بک سمیت شوشل میڈیا کی تمام سائٹوں پر علمائے کرام کی ایک بڑی تعداد موجود ہے، یہ علما اگر شوشل میڈیا میں غیر ضروری مسائل میں الجھنے کے بجائے دعوت دین اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عظیم فریضہ منصبی ادا کرنے پر کمربستہ ہوں تو دعوت دین کے حوالے سے بہتر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں اور وسیع پیمانے پر دین کی تبلیغ واشاعت کا کام انجام پا سکتا ہے۔ چوں کہ فیس بک میں موجود افراد مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے اور مختلف مسالک کے پیروکار اور مختلف نظریات کے حامل ہوتے ہیں، اس لیے فیس بک سمیت دیگر شوشل سائٹس پر دعوت دین کا کام بڑی وسعت کے ساتھ انجام دیا جانا آسان ہو گیا ہے۔ دعوت دین کا یہ کام اجتماعی بھی ہو سکتا ہے اور انفرادی بھی۔

فیس بک میں دی گئی سہولیات کے پیش نظر دینی ومذہبی اصلاحی مضامین مختلف زبانوں میں فیس بک میں شیر کیے جاسکتے ہیں جن سے فیس بک پر موجود احباب مستفید ہو سکتے ہیں اور اللہ توفیق دے تو اسے اپنی عملی زندگی کا حصہ بنا کر اپنی عاقبت سنوار سکتے ہیں۔ فیس بک میں بہت سارے احباب ایسے ملتے ہیں جنہیں صحیح معنوں میں دین سے کوئی واقفیت نہیں ہوتی، وہ دینی مسائل واحکام جاننے کے خواہاں ہوتے ہیں ایسے لوگوں پر خصوصی توجہ دے کر انہیں دینی مسائل سے واقف کرانا فیس بک پر موجود علمائے کرام کی منصبی ذمے داری ہے۔ ذیل کی سطروں میں ہم فیس بک پر دین کی دعوت وتبلیغ کے چند مفید طریقے تحریر کرتے ہیں:

مختصر دینی واصلاحی مضامین کی اشاعت: مختلف زبانوں میں فیس بک پر ایسے مضامین شیر کیے جائیں جن میں جھوٹ، غیبت، چغلی اور معاشرے میں رائج دیگر برائیوں پر آیات، احادیث اور بزرگوں کے اقوال منقول ہوں اور ان برائیوں کی تباہ کاریوں کا ذکر ہو، ایسے مضامین میں زبان وبیان بالکل سادہ استعمال کیا جائے، آیات واحادیث کے ترجے نقل کیے جائیں، مضمون اتنا مختصر ہو کہ پڑھنے میں اکتاہٹ کا احساس نہ ہو اور نہ مضمون کی طوالت سے گھبرا کر اس سے صرف نظر کرنے پر مجبور ہو جائیں، ایسے مضامین میں سبق آموز حکایات، بزرگوں کے واقعات کا ذکر خاص طور سے مفید ہوگا۔ بزرگان دین کی سیرت وسوانح پر مختصر مضامین بھی نسل نو کو اپنے اسلاف سے روشناش کرنے میں معاون ہو سکتے ہیں۔

فقہی سوال وجواب کے لیے گروپ- فیس بک گروپ سازی کی سہولت بھی موجود ہے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ اپنی بات کو ایک ساتھ سارے گروپ ممبران تک پہنچایا جاسکتا ہے، شرعی مسائل کی ترسیل کے لیے ایسے گروپ بنائیں جائیں، جس میں فقہی سوالات کے جواب کے لیے ایسے علما کی خدمات حاصل کی جائیں جو ذمے دار ہوں اور فقہ وافتا کے میدان میں خاص درک رکھتے ہوں، فیس بک میں اس طرح کے بے شمار گروپس پائے جاتے ہیں، لیکن ان کے غیر ذمے دارانہ جوابات کی وجہ سے فیس بک یوزرس سوال کرنے سے کتراتے ہیں۔

اصلاحی بیانات پر مشتمل ویڈیوز اور آڈیوز: آج کل علمائے اہل کے اصلاحی بیانات پر مشتمل مختصر ویڈیو اور آڈیو کلپس بآسانی دستیاب ہیں جنہیں فیس بک میں شیئر کیا جاسکتا ہے، ایسے کلپس کی کو فیس بک یوزرس آسانی کے ساتھ لوڈ کر کے اس میں موجود پیغام کو سن سکتے ہیں، خاص طور سے ان کلپس کو عام کیا جائے جو اہل سنت کے عقائد اور معمولات اہل سنت کی تائید وحمایت پر مشتمل ہوں۔

قرآنی آیات اور احادیث کی تفسیر وتشریح کا سلسلہ: فیس بک پر روزانہ ایک آیت پاک، اس کا ترجمہ اور اس کی تفسیر بڑے آسان لب ولہجے میں شیر کی جائے تاکہ فیس بک پر موجود افراد اسے پڑھیں سمجھیں اور اس کی برکتیں حاصل کریں، اسی طرح احادیث کے متن ترجمے اور مختصر تشریح شیر کرنے کا سلسلہ بھی فیس بک یوزرس تک دین کا پیغام پہنچانے میں معاون ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں خاص طور ان آیات اور احادیث کا انتخاب کیا جائے جن میں برائیوں کے ارتکاب پر وعیدیں ذکر کی گئی ہوں اور اعمال خیر کی فضیلتیں مذکور ہوں۔

اسلامی وال پیپرس: احادیث مبارکہ کے مختصر جملوں، بزرگوں کے اقوال، نصیحت آمیز ارشادات پر مشتمل دل کش اور دیدہ زیب وال پیپرس (wallpapers) بنا کر فیس بک اور شوشل میڈیا کی دیگر سائٹوں پر نشر کیے جائیں، یہ وال پیپرس اس قدر جاذب نظر ہوں کہ ان کی دل کشی

اورر عنائی قارئین کی توجہ اپنی جانب مبذول کرلے، یقیناان وال پیپرس کے پڑھنے والوں کے قلوب واذہاں کچھ نہ کچھ اثرات مرتب ہوں گے۔اسلامی مہینوں اور تہواروں کی مناسبت سے بھی وال پیپرس تیار کیے جائیں تاکہ فیس بک پر موجود احباب دینی معلومات کے ساتھ اسلامی تہذیب وثقافت سے بھی آگاہ ہوتے رہیں۔

فیس بک پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا طریقہ:

فیس بک پر مختلف طرح کے پوسٹ شیر کیے جاتے ہیں، بعض پوسٹ نہایت اخلاق سوز بھی ہوتے، ایسے پوسٹ شیر کرنے والوں کو بر سرعام کھری کھوٹی سنانے کے بجائے پرسنل میسیج بکس personal (massage box) میں جاکر انہیں نہایت ہمدردانہ لب ولہجے میں سمجھایا جائے، اللہ کا خوف دلایا جائے، ایسے کاموں سے باز رہنے کی مخلصانہ تاکید کی جائے، امید ہے کہ اخلاص کے ساتھ یہ عمل جاری رہا تو اس اچھے اثرات اور نتائج سامنے آئیں گے۔بعض ناکارہ افراد فیس بک پر متنازع اور غیر مفید بحثوں کا سلسلہ شروع کر کے اپنے ساتھ دوسروں کا بھی وقت ضائع کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو اپنے احباب کی فہرست سے فوری طور پر خارج (Remove) کر کے ثواب دارین حاصل کرنا چاہیے

حاصل یہ کی فیس بک اور شوشل میڈیا کی دیگر سائٹس کا صحیح استعمال باہمی روابط کے ساتھ دعوتی مقاصد کا پورا کرنے کا اہم ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالی ہمارے اندر دعوت دین کا جذبہ صادق عطا فرمائے آمین۔

☆☆☆☆

عہدِ نو کی ترقیات سے جائز استفادہ۔وقت کی اہم ضرورت

از: مولانا سید قمر الاسلام، خانقاہ ولیہ، جہانگیر نگر، فتح پور (یوپی)

۲۰۰۴ کی بات ہے۔ہارورڈ یونیورسیٹی کے ایک ہاسٹل میں تین طلبہ مقیم تھے۔مارک ایلیٹ زکر برگ ان میں سے ایک تھا۔انتہائی ناکارہ، کند ذہن، شرمیلا اور غیر منظم قسم کا انسان۔۲۰۰۴ کے اوائل میں اس نے ویب سائٹ کے لیے ڈومین خریدی اور ۴ فروری کو اس نے فیس بک کے نام سے ایک سوشل سائٹ کو لانچ کر دیا۔اس کا مقصد یونیورسٹی کے طلبہ کے مابین آن لائن رابطے پیدا کرنا تھا۔چند ہی ہفتوں میں ہزاروں طالب علم اس سے منسلک ہو گئے۔اور پھر دیگر جامعات کے طلبہ بھی اس سے جڑنا شروع ہوئے۔ایک مہینے میں یہ تعداد تیس ہزار تک پہنچ گئی۔چھ مہینے کے اندر اس ویب سائٹ سے ۳۴ یونیورسیٹیز کے تقریبا ایک لاکھ طلبہ جڑ گئے۔ان بارہ برسوں میں فیس بک نے ساری دنیا کو متاثر کیا اور سیاست وحکومت، صنعت و تجارت، صحافت و ملازمت غرض کہ ہر شعبے سے متعلق افراد میں یکساں مقبولیت حاصل کی۔ مواصلات کی رو سے اس سے بڑا انقلاب اور کیا ہو سکتا تھا کہ پہلے دنیا مختلف براعظموں اور ملکوں کی سرحدوں میں منقسم تھی لیکن فیس بک نے اقلیمی لکیروں کو مٹا کر سب کو موبائل اسکرین پر مجتمع کر دیا۔

دعوت: خیر امت کی اساس: اسلام رب العالمین کا پسندیدہ دین ہے۔اس کی یہ تین خصوصیات بہت نمایاں ہیں:

پہلی یہ کہ اسلام جامع نظام حیات ہے۔یہ انسان کے تمام چھوٹے بڑے مسائل میں انتہائی فطری اور موزوں ترین رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

دوسری یہ کہ وہ دائمی ہے۔یعنی وہ ہر زمانے کا دین ہے۔لیل و نہار کی پیہم گردش اس کی ثقاہت کو مجروح نہیں کر سکتی۔بلکہ لمحہ بہ لمحہ اس کی دل کشی ورعنائی طالبین حق کی توجہات کا مرکز بنتی رہے گی۔

تیسری خاصیت یہ کہ وہ عالمی ہے۔ساری کائنات اللہ کی ہے اور اسلام سارے عالم کا مذہب ہے۔یہ دو جہتی تعلق اس دین کی آفاقیت کی دلنشیں توجیہ ہے۔

پہلی خصوصیت کی بنیاد پر اسلام دنیا کے ہر فرد کی ضرورت ہے اس لیے کہ اسلام ہی وہ واحد دھرم ہے جو ہر شخص کے ہر مسئلے کا حل فراہم کر سکتا ہے۔دوسری خاصیت کی وجہ سے زمانہ اپنی رواروی کے باوجود اسلام کا محتاج ہے۔کیونکہ تاریخی اور علمی ثبوتوں کے ساتھ اسلام ہی وہ محفوظ مذہب ہے جو اب تک اپنی اصلی صورت میں موجود ہے اور کسی قسم کی ترمیم اس میں جگہ نہیں پا سکی۔اور آخری خاصیت کی بنیاد پر دنیا کا ہر گوشہ اہل اسلام کے لیے مقام دعوت ہے۔ان کا فرض منصبی ہے کہ وہ اللہ کے پسندیدہ دین کے نور سے کائنات کے تاریک ذروں کو منور کر دیں۔قرآن کے مطابق مسلمانوں کے خیر امت ہونے کی اساس بھی یہی ہے کہ وہ سارے انسانوں کے لیے منجانب اللہ منتخب کیے گئے ہیں تاکہ معروفات کو رواج دیں اور منکرات سے

باز آنے کی تلقین کریں۔

دعوتی ذہن کی تشکیل: دعوت ایک جنوں خیز جذبہ ہے۔ ایک احساس ذمہ داری ہے۔ داعی اپنے سماج کا سب سے حساس فرد ہوتا ہے۔ لوگ اپنا بھلا چاہتے ہیں، جبکہ داعی سب کا بھلا چاہتا ہے۔ بدعملی کے تاریک راستے میں چل کر وہ اپنی آخرت برباد کر رہے ہوتے ہیں اور داعی ان کی اخروی فلاح کے لیے مضطرب رہتا ہے۔ معاشرے کی بے اعتدالیوں، غلط رویوں اور دین حق سے دوری کو دیکھ کر تڑپ اٹھتا ہے۔ پھر یہی تڑپ اسے دوسروں کی صلاح وفلاح کے لیے انگیز کرتی رہتی ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ ہر شخص کے دل پر دستک دیتا ہے اور دعوت حق کی خاطر ہموار زمینوں کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ آج ضرورت ہے کہ افراد امت میں دعوتی اسپرٹ کو پروان چڑھایا جائے۔ اسلامی مدارس طلبہ کے سینوں میں دعوتی تپش پیدا کریں۔ خانقاہیں اپنے متوسلین کے مابین تبلیغی شعور عام کریں۔

اسلوب دعوت کا تجزیہ: دعوت ایک نبوی مشن ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ اس مشن کے علم بردار نبوی اخلاق کے آئینہ دار بنیں۔ دعوت کا عمل جس قدر مہتم بالشان ہے اتنا ہی اہم یہ بھی ہے کہ اس عظیم کام کی انجام دہی کا طریقہ کار کیا ہو۔ ایسا کون سا منہج اختیار کیا جائے کہ داعی کا پیغام مدعو کے دل میں اتر جائے۔ مدعو کے بارے میں داعی کا نقطہ نظر ہی دعوت کی کامیابی اور ناکامی کی سمتیں متعیّن کرتا ہے۔ دعوت کے لیے حکمت و بصیرت، فہم و فراست، عزیمت و استقامت، رفق و مروت، شیریں لب ولہجہ، شائستہ اسلوب، نرم گفتگو، باوقار انداز تخاطب، صبر وتحمل اور عفو ودرگذر مطلوب ہے۔ کرخت وگرجدار آواز، دھماکہ خیز لب ولہجہ اور اکھڑپن کے ساتھ دعوتی عمل کامیاب نہیں ہوسکتا۔ سب وشتم اور استہزاو تمسخر کی لت میں پھنسے لوگ کبھی بھی اسلامی دعوت کے علم بردار نہیں بن سکتے۔

عہد نو کی ترقیات سے استفادہ: موجودہ عہد کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ ذرائع ابلاغ کی بہتات ہے۔ طاقت ور میڈیا ہے۔ ترقی یافتہ ٹیکنالوجی ہے۔ کمپیوٹر کی اسکرین پر مسافتیں سمٹ چکی ہیں۔ چند منٹوں میں ایک خبر دنیا کے دور دراز خطوں تک پہنچ جاتی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان جدید ترقیات کو ہم دین وملت کے مفاد میں استعمال کرتے، لیکن عجیب عالم ہے کہ ایک بڑا طبقہ ان وسائل دعوت کو آلات عداوت میں تبدیل کر رہا ہے۔ حالات مایوس کن ہیں۔ فتنوں کا بازار گرم ہے۔ ہر طرف ہاہا کار مچی ہے۔ عجب اضطراب اور بے اعتمادی کی لہر چل پڑی ہے۔ ہر کوئی اپنی راگ الاپ رہا ہے۔ معمولی اختلافات کے نتیجے میں انتشار وتفرقہ بازی کی وہ مسموم ہوا چلتی ہے کہ جینا دوبھر ہوجاتا ہے۔

چند تجاویز: جلسوں کے سامعین پانچ سو سے ایک لاکھ تک ہوتے ہیں۔ کسی ماہنامہ کے قارئین کا حلقہ پانچ سے دس ہزار ہوتا ہے۔ جب کہ فیس بک پر دنیا کے ڈیڑھ ارب لوگ موجود ہیں۔ جو بلاشبہ اسلامی دعوت کے مخاطب بھی ہیں اور ہماری مخلصانہ توجہ کے طالب بھی۔ اور ان تک اسلام نہ پہنچانے پر ہم جوابدہ بھی ہوں گے۔ اس سلسلے میں چند مناسب تجاویز درج ذیل ہیں، ذہن پر زور دیا جائے تو مزید نکات سامنے آسکتے ہیں۔:

(۱) بے شمار مسلم بچے بچیاں انٹرنیٹ کے ذریعے فحش کاریوں میں ملوث ہیں۔ ان کی ذہنی سطح کے مطابق ایسے اسلامی مواد ڈالے جائیں کہ ان کے دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو اور اپنی مذہبی ذمہ داریوں کا شعور جاگے۔ اس کام کے لیے فیس بک بہتر وسیلہ ہے۔

(۲) ہزارہا لوگ دین کے احکام و مطالبات سے نابلد ہیں۔ باطل فرقے بآسانی ان کا شکار کر لیتے ہیں۔ ہم عقائد اہل سنت اور مسائل واحکام شریعت پر مبنی مواد پوسٹ کر کے ان کی خیر خواہی کر سکتے ہیں۔

(۳) سوشل سائٹس خاص طور سے فیس بک پر عقائد و مسائل کے حوالے سے غیر معقول اور بے سند باتوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ مستند معلومات کی اشاعت سے جہل وکذب کے اس سلسلے کا خاتمہ ممکن ہے۔

(۴) فیس بک میں ایسے بے شمار غیر مسلم موجود ہیں، جن کے دل ودماغ میں میڈیا کی غلط ترجمانی کی بدولت اسلام اور مسلمانوں کی منفی شبیہ قائم ہے۔ ہم فیس بک کے ذریعے اسلام کا پرامن پیغام پہنچا کر اس قسم کے کروڑوں افراد کی غلط فہمیوں کا ازالہ کر سکتے ہیں۔

(۵) علما کی باہمی خانہ جنگیوں، فرعیات پر چیخنے چلانے اور ایک دوسرے کو برسرعام رسوا کرنے کی روش نے عصری تعلیم یافتہ طبقے کو علما بیزاری کے راستے پر ڈال دیا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ کسی بھی عالم کی بات خواہ وہ کسی بھی جماعت کا ہو۔' سننا نہیں چاہتا۔ اس طبقے تک رسائی کے لیے فیس بک کا سہارا لیا جاسکتا ہے۔ سنجیدہ اور علمی گفتگو کے ذریعے انہیں دین کے قریب کیا جاسکتا ہے۔

(۶) مسلمانوں میں ایک جاہل ترین طبقہ بھی ہے۔ جو شیوخ کے ارشادات پر سر ہلانے کا عادی ہے۔ سلفی مبلغین کا پھیلتا ہوا نیٹورک بڑی تیزی سے اس پر شکنجہ کس رہا ہے۔ ہم قرآن وسنت کی واضح اور روشن ہدایات کے ذریعے ان کے شعور کے دریچے کھول سکتے ہیں۔ ☆☆☆

گوشۂ ادب

حضرت علامہ کامل سہسرامی علیہ الرحمہ

بحیثیت طنز و مزاح نگار

(ولادت: تقریبا ۱۹۳۱ء–وصال: ۱۹۷۹ء)

محمد میکائیل ضیائی

فخر بہار حضرت علامہ محمد میاں کاملؔ سہسرامی علیہ الرحمہ حضرت علامہ فرخند علی صاحب فرحتؔ سہسرامی بانی دارالعلوم خیریہ نظامیہ سہسرام کے فرزندارجمند اور شیخ الحدیث حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کے تلمیذ خاص تھے۔ مجاہد دوراں حضرت علامہ سید مظفر حسین کچھوچھوی، رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری، حضرت مولانا سید شاہ اسرارالحق اور خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آبادی وغیرہم آپ کے احباب اور خصوصی بہی خواہوں میں تھے۔

سہسرام بہار کا ایک شہر ہے جو اتر پردیش کے متّصل ضلع رہتاس کا ہیڈکوارٹر ہے جو ریلوے لائن کے مغل سرائے اور گیا کے تقریبًا بیچوں بیچ واقع ہے۔ یہ شہر بہت بڑا تو نہیں ہے مگر وہاں ہندوستان کے نامور اور عادل افغانی حکمراں شیر شاہ سوری کا عظیم الشان تاریخی مقبرہ ہونے کی وجہ سے اسے تاریخی اہمیت و شہرت حاصل ہے۔ آپ اسی شہر سہسرام کے رہنے والے تھے اور اپنے والد گرامی کے قائم کردہ دینی و علمی ادارہ دارالعلوم خیریہ نظامیہ کے مہتمم اعلیٰ رہے۔ آپ نے اپنے دور میں دارالعلوم کو عروج وارتقا کی منزلوں سے ہم کنار کیا جو آج بھی بہار کی ایک عظیم معیاری دینی درس گاہ کی حیثیت سے مشہور و معروف ہے۔

حضرت علامہ کامل سہسرامی جہاں اپنے دور کے نہایت مقبول مقرر و خطیب تھے اور ہندوستان کے چند مشاہیر خطبا میں شمار کیے جاتے تھے۔ وہیں وہ ایک منجھے منجھائے ادیب، قلم کار، اور صحافی بھی تھے۔ اس زمانے کے رسائل واخبارات میں ان کے بیشتر مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔ بالخصوص حضرت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی کی ادارت میں شائع ہونے والے ماہنامہ ”پاسبان“ الہ آباد اور ہفت روزہ ”تاجدار“ بمبئی کے خصوصی کالم نگار نیز ان کی مجلس ادارت میں شامل تھے بلکہ ہفت روزہ ”تاجدار“ کے لیے حضرت علامہ نظامی صاحب کے پیہم اصرار پر آپ کافی دنوں تک الہ آباد میں مقیم بھی رہے۔

آپ علمی، فنی، فکری، اصلاحی اور اسلامی سنجیدہ تحریروں کے لیے بھی معروف ہیں اور طنز و مزاح کی تحریروں کے لیے ایک نئے اور اچھوتے اسلوب کا حامل ہونے کی حیثیت سے بھی جانے جاتے ہیں۔ اردو زبان میں نثری طنز و مزاح کی روایت تو بہت قدیم ہے مگر زیادہ تر ایسی تحریریں صرف تفریح طبع کا سامان ہوتی ہیں لیکن علامہ کامل سہسرامی کی طنزیہ و مزاحیہ تحریریں ایک خاص مقصد کے لیے ہوتی تھیں۔ بنام مسلمان گمراہ اور باطل فرقوں کا ردا تنے خوبصورت اور دلچسپ انداز میں کرتے تھے کہ ان کی تفصیلات سے واقف قارئین کا ذہن وہیں پہنچتا تھا جہاں وہ پہنچانا چاہتے تھے۔ اور ان تحریروں سے قبول اصلاح کی صلاحیت رکھنے والے افراد لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ ان سے استفادہ بھی کرتے تھے۔ اشاروں میں بڑی بڑی باتیں کہہ جانا ان کے فن کی خاصیت تھی۔ آپ کی انہیں خصوصیتوں کی وجہ سے علامہ مشتاق احمد نظامی انہیں بہت عزیز رکھتے تھے۔

علامہ کامل سہسرامی کے اس انداز تحریر کی ابتدا یوں ہوئی کہ دیوبند سے مولانا عامر عثمانی کی ادارت میں شائع ہونے والا ماہنامہ ”تجلی“ اس زمانے میں عام طور پر بہت سے لوگ پڑھتے تھے جس میں ایک مستقل کالم تھا ”مسجد سے میخانے تک“۔ اس کالم میں طنز و مزاح کے نام پر نہایت بھونڈے انداز میں معمولات و مراسم اہل سنت کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔

مولانا کامل سہسرامی کی نگاہوں سے بھی وہ مضامین گزرے تو جوابًا آپ نے بھی اسی انداز میں ایک مضمون لکھا جو ”نجد سے سہارنپور تک“ کے عنوان سے ماہنامہ ”پاسبان“ میں شائع ہوا۔ بس کیا تھا

استاذ الجامعۃ العربیہ احسن المدارس، کان پور
mmziai4@gmail.com

لوگوں کو وہ مضمون اتنا پسند آیا کہ مدیر پاسبان حضرت علامہ نظامی سے اس کالم کو مستقل کرنے کے مطالبات ہونے لگے چنانچہ علامہ نظامی صاحب نے علامہ کامل صاحب سے فرمایا کہ ''نجد سے سہارنپور تک'' کو پاسبان کا مستقل کالم بنالیا گیا ہے اب آپ کو ہر ماہ پابندی کے ساتھ اسے لکھنا ہے۔ اس طرح وہ ہر ماہ مستقل طور پر شائع ہونے لگا اور وہ اتنا مقبول ہوا کہ قارئین کے بیحد اصرار پر اس کے چند مضامین کا ایک مجموعہ مکتبہ پاسبان الہ آباد کے زیر اہتمام ''نجد سے سہارنپور تک'' ہی کے نام سے ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ خود مولانا کامل سہسرامی اس کتاب کے افتتاحیہ کے طور پر ''اظہار خیال'' کے عنوان سے کیا تحریر فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیں!:

''نہ جانے وہ کون سی ساعت تھی جب میں نے پاسبان کے لیے ''نجد سے سہارنپور تک'' کے نام سے پہلی مرتبہ مضمون بھیجا تھا۔ مضمون کے جواب میں مولانا کا حکم نامہ ملا کہ یہ پاسبان کا مستقل عنوان بنالیا گیا ہے اس کا نباہ تمھارے ذمہ ہے۔

ذہن وفکر کے کسی گوشہ میں بھی اس بات کا وہم نہ تھا کہ میرے قلم کی یہ حماقتیں کسی وقت کتابی شکل اختیار کر سکتی ہیں اس کی ذمہ داری اور جواب دہی سولہ آنہ علامہ مشتاق نظامی کے سر ہے ۔۔۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ مکر وریا کے مکروہ چہروں پر تقدس کی حسین نقاب ڈالے کچھ افراد ملت کی شہ رگ کاٹنا چاہتے ہیں جن کی نقاب کشائی ضروری ہے اور میں نے یہی کیا ہے کہ اپنی حیات کا مقصد یہی ہے۔ اپنے مقصد میں میں کہاں تک کامیاب رہا یہ مدیر پاسبان جانیں۔'' (نجد سے سہارنپور تک ص ۴)

ہر کتاب کے ابتدائی صفحات میں کتاب کو معنون و منسوب کرنے کی ایک روایت ہے جو عام طور پر کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس کتاب کے انتساب کے مختصر جملے ملاحظہ فرمائیں اور علامہ کامل سہسرامی کی ظرافت طبعی سے محظوظ ہوں۔ وہ لکھتے ہیں :

''مدیر پاسبان کی اس تحریک کے نام۔۔۔ جس نے میرے قلم کو نجد کے ریگستان میں بگٹٹ دوڑنے پر مجبور کیا۔۔۔ کامل سہسرامی''

حضرت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی مدیر پاسبان الہ آباد نے اس کتاب میں ''محبت کے پھول'' کے عنوان سے مضمون اور صاحب مضمون کے تعلق سے اظہار رائے فرمایا ہے۔ اس کا کچھ حصہ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں وہ تحریر فرماتے ہیں :

''پاسبان کی علمی ودینی خدمات کا سکہ دنیائے سنیت میں آج بھی ایسے ہی کھنک رہا ہے جس طرح آج سے پندرہ برس پیشتر۔ اگر چہ وہ ایک برس سے بالترتیب شائع نہیں ہورہا ہے لیکن اس کی مانگ میں کوئی کمی نہیں ہے۔ میں نے برسوں پہلے جس چراغ کو روشن کیا تھا حوادث زمانہ سے اس کی لو تو مدھم ہوگئی مگر جو روشنی پھیل چکی ہے اس کی تابانی نہیں گئی، یہ اس دور کی بات ہے جبکہ پاسبان سے کلیتہً میرا ذہن وابستہ تھا۔ ''نجد سے سہارنپور تک'' کے لیے میری نظر انتخاب فاضل جلیل مولانا محمد میاں کامل پر گئی اور مراسلت کا سلسلہ شروع ہوگیا، پہلے وہ ہچکچائے لیکن کہنے سننے سے تیار ہوگئے۔۔۔ وہ تیار ہی نہیں ہوئے بلکہ ایسے مرد میداں ثابت ہوئے گویا ایوان دیوبندیت کے لیے مدتوں سے پٹرول اور بارود لیے بیٹھے تھے صرف اس کا انتظار تھا کہ کوئی کہے کہ آتش گیر مصالحوں کو لے کر آگے بڑھیے۔ چنانچہ یہی ہوا، پہلے ہی دھماکے میں پورا ملک گونج اٹھا، ہر طرف سے تحسین و مرحبا کی آوازیں بلند ہونے لگیں آخرش یہ ہوا کہ پاسبان کا دوسرا نام ''نجد سے سہارنپور تک'' پڑگیا۔

''نجد سے سہارنپور تک'' یہ سنجیدہ مزاح اور علمی ومعلوماتی ظرافتوں کا حقیقت پسندانہ نچوڑ ہے۔ مولانا کامل اپنے اس طرز نگارش میں بالکل یگانہ و منفرد ہیں۔ بات میں بات پیدا کرنا اور ہنستے بولتے ایسی دوررس باتیں کہہ جانا جہاں خواص ہی کا ذہن جاسکے یہ ان کا خاص فن ہے، یہ ایک خداداد صلاحیت ہے جس نے انہیں دوسروں سے ممتاز کردیا ہے۔'' (ایضًاص ۶-۷)

''نجد سے سہارنپور تک'' میں جو مضامین شامل ہیں وہ تو ایسے ہیں کہ پورا پورا مضمون پڑھنے والا ہی صحیح طریقے سے لطف اندوز ہوسکتا ہے اور وہ اتنا مربوط و مسلسل ہے کہ اس کا کوئی اقتباس نقل کرتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر پیراگراف نقل کرنے اور پڑھنے کے لائق ہے، کن سطور کو نقل کیا جائے اور کنھیں چھوڑا جائے پھر بھی کوشش کرکے اس کے کچھ اقتباسات نقل کیے جارہے ہیں تاکہ آپ کا ذہن ودماغ کچھ دیر کے لیے رنج والم کی ماری دنیا سے نکل کر فرحت وانبساط اور ہنسی خوشی کے خوبصورت اور پر فضا باغات میں سیر کرکے راحت محسوس کرسکے۔ مولانا کامل سہسرامی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''جب کوئی لانبی داڑھی والا کھدر پوش ہوجاتا ہے تو پھر وہ نہ

مولوی رہتا ہے نہ کانگریسی بلکہ دونوں کے درمیان کی چیز چھوٹو مداری عرف چالباز شکاری بن جاتا ہے۔ جو اتنی مہارت اور ہوشیاری سے جال ڈالتا ہے کہ غریب شکار کو پھڑپھڑانے تک کا موقع نصیب نہیں ہوتا۔ بھان متی کے پٹارے کا ایسا ایسا کرتب دکھائے گا کہ بس دیکھا کیجیے، ہاتھ کی صفائی ایسی کہ کتنے مداریوں نے تو شرما کر اپنا کام دھندا چھوڑ دیا۔ چچا غالب نے اسی جماعت سے متاثر ہو کر کہا ہے۔

جب چاہا میرے یار نے انڈے کو بھینس کے
چشم زدن میں روغن زیتون کر دیا

اگر عقیدت مندیوں کے اظہار پر اتر آئے تو شیخ جی کو حضرت عبداللہ بن مبارک اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مقتدا بنا کر تالیاں بجائے۔ پیر جی کو صدیق، فاروق، مطاع الکل اور مربی خلائق ثابت کردے۔ اور دشمنی پر اتر آئے تو کائنات کی افضل و مقدس ترین ذات کو گاؤں کا چودھری بنا ڈالے، خدائی کے ساتھ ساتھ خدا پر بھی ہاتھ صاف کرنے میں نہ چوکے، فتوے بازیوں پر اتر آئے تو نذر و نیاز، فاتحہ و زیارت ہر چیز کو نہ صرف حرام کردے بلکہ شرک کے موٹے موٹے کیڑے بھی نکال ڈالے۔ یہ اور بات ہے کہ اسی کے فتوؤں کا مارا کھانا اگر خوش قسمتی سے اسے مل جائے تو اس طرح ہضم کر لے کہ ڈکار بھی نہ لے، سید سالار مسعود غازی کے مزار شریف کی سات گز لمبی چادر اوڑھ لے اور شرک کی آلودگیوں سے پاک بھی رہے، حلال کرنے پر اتر آئے تو کوے کو حلال کردے، کپورے کو حلال کردے یہاں تک کہ دین و ملت کو بھی حلال کردے۔" (ایضاً ص ۱۷-۱۸)

اسی طرح اپنے ایک مضمون میں شہدائے کربلا اور اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بغاوت و مخالفت اور یزید پلید کی مدحت و حمایت میں لکھی جانے والی بدنام زمانہ کتاب "خلافت معاویہ و یزید" اور اس کے بدطینت مصنف محمود احمد عباسی پر بھرپور تنقید کرتے ہوئے تلخ حقائق کو ظرافت کی چاشنی کے ساتھ قارئین کے حلق کے نیچے اتارنے کی جو سعیِ بلیغ فرمائی ہے اس کے بھی کچھ اقتباسات نذر قارئین کیے جا رہے ہیں۔ نیز اس غلیظ اور گندی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کی مدح سرائی میں رطب اللسان عامر عثمانی (مدیر تجلی دیوبند) کی طرف بھی طنز و ظرافت کے نوکیلے تیر برسائے گئے ہیں محسوسات کے آئینے میں اس کا بھی نظارہ کیجیے اور مولانا کامل سہسرامی کے انداز تحریر کو خراج تحسین پیش کیجیے وہ تحریر فرماتے ہیں:

"جرمن کے فلسفی نے جھوٹ کہیں چاہے جو کچھ بھی کہا ہو لیکن صحرائے نجد کے ایک افلاطون قسم کے منطقی کا مقولہ ضرور سن لیجیے۔ اگر ساعت نازک ہو گئی ہو تو میرے راہ راست پر آنے کی دعا کیجیے لیکن سن ضرور لیجیے۔

"ہمیشہ اتنے بھیانک قسم کا سچ بولو کہ پوری انسانی آبادی چونک اٹھے اور دنیا کی ساری سچائی، ٹھوس واقعات اور تاریخی صداقتیں خودکشی کر لیں۔"

اس مقولے سے متاثر ہو کر ایک تیس مارخاں نے اتنے عظیم الشان اور ہیبت ناک سچ کا انکشاف کیا ہے کہ کائنات کی ساری صداقتوں کے چہرے سیاہ پڑ گئے ہیں۔ جی ہاں! "خلافت معاویہ و یزید" نامی کتاب سو فیصد اسی مقولے کے زیر اثر لکھی گئی ہے۔ پوری کتاب میں بس شروع سے اخیر تک سچ ہی سچ ہے، ہر صفحے پر کئی کئی من سچ ہے اور ساری کتاب میں پورے ساڑھے چوبیس ٹن سچ ہے۔ اس لیے ذرا سنبھل کر پڑھنے کی کوشش فرمائیے ورنہ کہیں پڑھتے پڑھتے اس سچائی کے نیچے دب گئے تو پرنٹر پبلشر ایڈیٹر کسی پر اس کی ذمہ داری نہیں۔

میری بات کا یقین تو آپ کو آنہیں سکتا اور کسی حال میں میری بات کو قابل اعتنا نہ سمجھیں گے۔ میرے ایک صداقت نواز کرم فرما کے بقول آپ کو یقین ہی کیوں آنے لگا "آپ نے ماں کے دودھ کے ساتھ یزید کی نفرت اور شہدائے کربلا کی عقیدت و محبت گھول کر جو پی ہے اور بچپن ہی سے یہ بات ذہن نشین کرا دی گئی ہے کہ یزید ایک ظالم، غیر مستحق اور بداعمال فرماں روا تھا اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس کے خلاف خروج ایک نہایت مقدس، بلند اور لائق تحسین اقدام تھا۔"

چند سطروں کے بعد...

یہ نہ پوچھیے کہ توصیف یزید کس کلاس کے جہنم کا اعزازی ٹکٹ ہے بلکہ امروہے کے ان بڑے میاں کے قدموں میں گر جائیے جنہوں نے اپنے فرزند غرض مند محمود عباسی کو حالات کی صحیح تصویر بتائی تھی اور جن کی تعلیم کے نتیجے میں ان کا لخت جگر تحقیق کے اکھاڑے کا دارا سنگھ بن گیا اور یہ پانچ فٹ کے مدیر پاسبان اس دیو ہیکل سے فری اسٹائل کشتی لڑنے پر تلے ہوئے ہیں۔ وہ بھی ایسا پہلوان جسے استاد عامر نے ریاض کرائی ہو۔ یقین کیجیے کہ ایک ہی

گھونسے میں مدیر پاسبان کے دماغ کا گودا ناک کے راستے بہ نکلے گا۔
لہٰذا باز رکھیں سارے قارئین پاسبان کے مدیر محترم کو اس دنگل میں اترنے سے، اور دعا کریں اپنے راہ راست پر آنے اور اس حقیقت تک پہنچنے کی۔ اگر آپ نہیں پہنچ سکتے تو آئندہ نسل کو اس حقیقت تک پہنچانے کی کوشش ضرور کیجئے۔ یعنی ابھی سے اپنے بچوں کو یہ سبق پڑھانا شروع کر دیجئے کہ نواسۂ رسول باغی، جاہ پسند اور تخت و تاج کے بھوکے تھے اور اس ضمن میں حریص، لالچی، دنیادار، ناخدا ترس خود بخود آجائیں گے اور امیر المومنین یزیدؓ نہایت پاک باز، متقی، متبع سنت اور خلافت اسلامیہ کے نیر تاباں تھے۔

چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ جلد بیس کے صفحہ چوبیس پر علامہ ترکستانی کی کتاب التحقیق کے حوالے سے درج ہے کہ کان الیزید صائما النہار و قائما اللیل ومتقیا جدا ولا مثال لتقواہ و کان نجما لسماء الاسلام بل کان شمسا لظلام الدھور اور صاحب کتاب نے بین السطور میں لکھا ہے وھو خلیفۃ من خلفاء اللہ

حضرت یزید کی اس مستند اور تاریخی منقبت کی روشنی میں آپ یزید کی عظمتوں کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تو سمجھ لیجئے کہ آپ کے مذاق علمی کو شدید قسم کا زکام ہے۔

یزید کے نام کے ساتھ "امیر المومنین" اور سر کے اوپر "ؓ" دیکھ کر میری خارجیت پر مہر تصدیق ثبت کرنے سے پہلے اتنا سن لیجئے کہ اس سچی کتاب سے لے کر "تجلی" کے صفحات تک ہر جگہ اسی طرح لکھا دیکھا ہے اور حذف واضافہ میرے بس کا روگ نہیں۔" (ایضاً ص ۹-۱۰-۱۱)

اسی تسلسل میں آگے چل کر مولانا کامل صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کا جو جی چاہے کہئے یہ کتاب (خلافت معاویہ و یزید) ہے بڑے زور کی مدیر "تجلی" کے الفاظ میں "یہ کتاب تو ان کتابوں میں ہے جو صدیوں میں ایک آدھ ہی لائی جاسکتی ہے" اور میرے خیال سے پورے تیرہ سو سال میں ایک اور صرف ایک ہی لکھی جا سکتی ہے، میری بات کا یقین نہ آئے تو مدیر تجلی کا تبصرہ پڑھ لیجئے:

"واقعہ یہ ہے کہ یزید اور ان کی حکومت کے بارے میں اتنا مسلسل جھوٹ بولا گیا ہے کہ لغو ولایعنی حکایتیں حقائق شمار ہونے لگیں"

یعنی یزید کی حکومت میں سولہ آنہ خیر سلاّ تھی۔ اہل بیت نبوت کے ساتھ اسے بڑی ہی عقیدت تھی، ہر ملاقات میں حضرت امام کی دست بوسی کیا کرتا تھا اور ایک مرتبہ تو مرید ہونے کی درخواست بھی کی تھی، حضرت امام اور مسافرین کربلا کے ساتھ اس کے ظلم و ستم اور وحشت و بربریت کی جو داستان مدیر پاسبان ہر سال سنا کر بمبئی والوں کو رلاتے ہیں وہ سب کی سب محض لغو ولایعنی حکایتیں ہیں۔

اگر اب بھی آپ نے انصاف، دیانت اور حقائق و شواہد کا گلا نہیں گھونٹا تو آگے سنئے:

"لامتناہی پروپیگنڈے نے یزید کی شخصیت کو جتنا بھیانک، حضرت حسین کی شہادت کو حد درجہ مظلومانہ اور دیگر تفصیلات کو جس قدر ڈرامائی بنا دیا ہے ان کے تعصب سے بلند ہو کر ٹھنڈے اور تحقیق پسند دل و دماغ سے اگر اس کتاب (خلافت معاویہ ویزید) کا مطالعہ کیا جائے تو چند جزئیات کے علاوہ من حیث المجموع اس سے اتفاق ہی کرنا ہوگا۔"

ماتم کیجئے اور ہو سکے تو سر دیواروں سے ٹکرائیے کہ اب تک آپ کس فریب میں مبتلا تھے اور ایمان لائیے کہ "لامتناہی پروپیگنڈے نے حضرت حسین کی شہادت کو حد درجہ مظلومانہ بنا دیا ہے" کہیے کہ حضرت امام حسین کی شہادت حد درجہ مظلومانہ نہیں بلکہ حد درجہ ظالمانہ تھی۔ اگر دل و دماغ اس پر آمادہ نہ ہوں تو انہیں سولی دے دیجیے یا سہارنپور سے دوسرے دل و دماغ منگوا کر فٹ کرا لیجیے اور اگلے کو نکال پھینکیے۔

اب اس کا جواب مدیر تجلی کے ذمہ کہ شہادت ظالمانہ بھی ہو سکتی ہے یا نہیں۔؟۔۔۔ میرے خیال میں ہمارے دیوبند شریف کی حدود میں ظلم و شہادت کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور دونوں کی حیثیت سگی بہنوں کی سی ہے۔

حضرت شہید (اسمٰعیل دہلوی) ملک یاغستان میں مسلمانوں پر ڈنڈا آزمانے پہنچ گئے اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ محض دنیا کے لیے اپنے بھائیوں کے خون سے ہولی کھیلی جائے اور مارے جائیں تو شہید ہو جائیں۔ ظلم اور شہادت کے گٹھ جوڑ کی اس سے نادر مثال اور کہاں مل سکتی ہے۔ ایک ظالم ترین انسان کو ہمارے کرم فرما شہید ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

اچھا حضور! ہم حضرت امام کو آپ کے بقول حد درجہ مظلوم نہیں سمجھتے بلکہ آپ ہی کی بات مانتے ہیں اور کم سے کم تر درجہ کا مظلوم سمجھتے ہیں لیکن خدا کے لیے آپ بھی (یزید کو) اسی درجہ کا یعنی تھرڈ کلاس کا ظالم سمجھیے تو کچھ بات بنے۔" (ایضاً ص ۱۲-۱۳)

اب اس مضمون کا آخری حصہ بھی ملاحظہ فرمالیں جس میں باطل فرقوں کے مکر وفریب اور دَل بدل کی پالیسی اور اہل سنت وجماعت کی حق پر استقامت کو مولانا کاملؔ صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں اجاگر کرنے کی کوشش فرمائی ہے وہ لکھتے ہیں :

''میں نے بھی اپنی کتاب ''تاریخ صداقت'' میں نہایت عرق ریزی اور محنت وجانفشانی سے تاریخ کے بہت سے ایسے گوشوں کو اجاگر کیا ہے جس کے تعلق سے اب تک دنیا غلط فہمی میں مبتلا ہے اور دلائل وشواہد کی روشنی میں فرعون ،ہامان، شداد،، نمرود، مسیلمہ کذاب،اور ابوجہل وابولہب وغیرہ کا تقویٰ اور پرہیز گاری ثابت کی ہے۔پھر تاریخ کا یہ انمول سرمایہ اب تک بازاروں میں آبھی جاتا لیکن اس راہ کا سب سے بڑا کانٹا مدیر پاسبان کی بریلویت ہے ۔خود چھاپنے کے لیے تیار نہیں ،اگر دوسرے اداروں سے ساز باز کرتا ہوں تو ایجی ٹیشن اور بائیکاٹ کی دھمکی ملتی ہے۔یہی سبب ہے جواب تک مانع طباعت ہے۔

ناظرین اگر دباؤ ڈالیں تو ممکن ہے کہ یہ بریلوی اپنی ضد اور ہٹ سے باز آجائے اور تاریخ کی اس ٹھوس حقیقت کو شائع کرنے پر آمادہ ہوجائے۔ ویسے میرا ایمان ہے کہ آپ جیسے ہزار پانچ سو بھوک ہڑتال کرکے مر بھی جائیں جب بھی یہ بریلوی اپنی ضد سے ایک انچ نہ ہٹے گا۔

اصل میں بریلویت کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ وہ عوامی تقاضوں اور وقت کے غلط مطالبوں کے آگے سر جھکانا نہیں جانتی۔اس سلسلہ کی آخری کوشش حضرت شیخ کے مزار کی چلہ کشی ہوگی کیا عجب کہ حضرت شیخ اس بریلوی کے ذہن وفکر میں انقلاب برپا کردیں۔ع

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

(ایضاً ص ۱۵-۱۶)

ان کے ایک اور مضمون کا درج ذیل اقتباس بھی ملاحظہ فرمائیں:

''آپ نے نقاب پوش لٹیرے کا نام تو سنا ہوگا جو سیٹھ رستم جی داراوالا کی تجوری سے پچھتر ہزار روپے نکال کر چلتا بنا اور سیٹھ جی ایک مجبور تماشائی کی طرح دیکھتے رہے۔اور سیاہ پوش ڈاکو کی کہانی بھی پڑھی ہوگی جس نے بڑی بڑی ریاستوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔

ٹھیک ایسے ہی ہمارے بھارت ورش کے مقدس علماء ہیں جو کھدر پہن لینے کے بعد نقاب پوش لٹیرے سے ایک انچ کم نہیں رہتے ۔مدیر پاسبان ملت کی پاسبانی میں ہزار ڈنڈا گھمائیں یہ بہر حال اپنا کام کر ہی جاتے ہیں ۔یہ الگ بات ہے کہ ہاتھ کی صفائی دکھانے کے لیے ان بیچاروں کو بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔

غریب پائجامہ چڑھائے شرک وبدّت کا ورد کرتے پھر رہے ہیں اور ہم بریلویوں کے پیچھے اس طرح مسلح لشکر کشی کر رہے ہیں کہ چینی جارحیت بھی پسینہ پسینہ ہے ۔خود ساختہ توحید کے پٹارے کو انتہائی کمال سے سجابناکر سارادن سر پر لیے لیے پھرتے ہیں اور ہر بھولے راہگیر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔

''بھائی لو!نہ سہی سب،کچھ تو لے لو''

اتنا بھاری بوجھ لادے لادے کمر دوہری ہو گئی ہے ،خدا کے لیے کچھ بوجھ ہلکا کردو'' لیکن خدا جانے کیا بات ہے کہ کوئی شخص تولہ بھر توحید بھی لینے کو تیار نہیں ہوتا۔اول تو لوگ پائجامہ کی اونچائی اور اس ٹریڈ مارک کو دیکھ کر ہی وحشت میں بھاگنے کا راستہ تلاش کرتے ہیں اور اگر کوئی آفت کا مارا، دھر بھی لیا گیا تو فوراً ناک دبا کر چلاتے ہوئے بھاگتا ہے ۔توبہ توبہ توحید کے اس حسین پٹارے سے توہین رسول کی سڑاند آرہی ہے ، کسی کو اہل بیت نبوت کی خوشبو نہیں محسوس ہوتی ،کسی کو خواجہ کی عقیدت کی دل نواز خوشبو سے محرومی پریشان کرتی ہے غرضیکہ جتنی نا کیں اتنی باتیں۔''(ایضاً ص۲۹-۳۰)

رواں دواں عام فہم اردو نثر کے ساتھ ساتھ مولانا کامل صاحب کے ان مضامینِ طنز ومزاح میں گاہے گاہے قدیم اردو نثر کی جھلکیاں بھی مزید لطف کا سامان فراہم کرتی ہیں ۔ ایک مضمون میں ابن عبدالوہاب نجدی کی پیدائش پر ابلیس لعین کا جشن مسرت منانے کی منظر کشی ملاحظہ کریں۔اس میں ایک عنوان قائم کیا ''دینا بھاشن مہاراجہ نجد کا در میان اپنی پرجا کے اور اظہار کرنا مسرت کا جانشین کی آمد پر'' اور اس کے تحت اس کی تقریر نقل فرمائی۔اسے آپ بھی ملاحظہ کریں:

''لیڈیز اینڈ جنٹل مین !آج مابدولت انتہائی مسرت وشادمانی محسوس کرتے ہیں ۔ اس پیرانہ سالی اور بڑھاپے میں یہی ایک فکر لاحق تھی کہ میرے مشن کو صحیح طور پر سنبھالنے والا کوئی ہوگا یا نہیں ۔؟یہ ایک اہم سوال تھا جس نے میری رات کی نینداور دن کا چین ختم کررکھا تھا۔پوری زمین پر ہم نے اپنا جال نہایت مضبوطی اور ہوشیاری سے پھیلا رکھا ہے اور میرے اثرو اقتدار کا پرچم اپنے پورے شکوہ وجلال کے ساتھ لہرارہا ہے لیکن اپنے سب سے بڑے حریف کو اب تک شکست نہیں دے سکا۔ہم نے لاکھ چاہا کہ کسی طرح ہمارے دام میں یہ طبقہ آجائے لیکن اس جماعت کا باوا آدم ہی جدا معلوم ہوتا ہے

۔حاکمانہ اقتدار کی کاسہ لیسی پر آمادہ کرنا چاہا، انگریزوں کی طرف داری پر مائل کرنا چاہا لیکن یہ کمبخت کسی طرح میری لائن پر چلنے کو آمادہ نہیں ۔ جماعت وجمعیۃ کے نہ جانے کتنے مورچے قائم کیے لیکن نتیجہ صفر محض ہے ۔ یہ پرانے لکیر کے فقیر دین ومذہب کے معاملے میں ماڈرن بننے کو تیار نہیں اور اس حقیقت کو تم سب خوب سمجھ لو کہ یہ بریلویت جب تک زندہ ہے میرے مشن کے لیے ایک چیلنج ہے ۔ یہی وہ لوگ ہیں جو میرے دل کی سب سے بڑی رکاوٹ ہیں ۔ آج میرے جانشین کا جنم ہوا ہے جو صحیح طور پر میری جانشینی کے فرائض انجام دینے والا ہے ،آج ہم مطمئن ہیں کہ میرے مشن کو آگے بڑھانے والے نے جنم لے لیا ہے اور ان خبیث بریلویوں کے مقابلہ میں اب ہم تنہا نہیں بلکہ میرا جانشین بھی رہے گا اب وہ دن دور نہیں جب ان بریلویوں کو شکست فاش ہوگی اور مابدولت کا پرچم اقبال اپنی پوری یکتائی کے ساتھ لہرائے گا ۔ تم سب اس کو اس کی اطاعت وفرماں برداری کی سخت تاکید کرتا ہوں۔

میرے فرزندو! تمہیں صحیح طور پر اندازہ نہیں لیکن میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ جس کام اور مقصد کی تکمیل مجھ سے نہ ہو سکی وہ میرا لخت جگر کر دکھائے گا۔ع

اگر پدر نتواند پسر تمام کند

وہ دن دور نہیں جب ہمارا یہ عظیم الشان جشن پایہ تکمیل کو پہنچے گا اور ہمارا یہ مقابل اپنی منہ کی کھائے گا۔اخیر میں میرے سپوت کی جے جے کار مناؤ۔بولو راجکمار کی جے ۔“(ایضاً ص۴۱-۴۲)

مزید قدیم اردو نثر کی جھلکیاں ایک مضمون کے درج ذیل اقتباس میں ملاحظہ فرمائیے:

” ہیں درمیان شہر ہمارے کے مولانا صاحب مبلغ ایک عدد بھاری بھرکم بااعتبار جسامت کے اور بااعتبار قد وقامت کے ومنزلت کے کہ ہیں حلقہ بگوش اور عقیدت مند لوگ ہر ایک خیال کے یعنی کہ لوٹتے ہیں البتہ مولانا ہمارے عوام کو دونوں ہاتھوں سے جیسا کہ حق ہے لوٹنے کا ۔ صاحب زادگان تو ہیں ہر آئینہ مرید وکفش بردار حضرت شیخ کے اور بڑی سختی سے قائم ہیں شیخ جی کی ایک ایک سنت پر ،بازار سے لے کر گھر تک ہر جگہ جھاڑتے ہیں فتویٰ۔ اسی زد میں چھوٹ چکیں دو بیبیاں اور ہوگئے بیچارے رنڈوے۔اگر چلتا بس ان کا تو نکال دیتے گھر سے اپنے اس کو کہ ہے ان کا زور اس بات پر کہ نہیں ہونی چاہیے میلاد کبھو ،اور فاتحہ بالکل،اور نہ پکنے چاہیئیں حلوے شب برات کے اور سوئیاں عید کی لیکن کرتی ہیں سب کچھ مولانی جو کچھ کرنا چاہیے اور ذرا نہیں گھبراتیں صاحب زادے کے فتوے سے بلکہ پکاتی ہیں مولانی سوئیاں عید میں اور کہتی ہیں برائے فاتحہ کے ۔کہتے ہیں بڑے زور وشور سے صاحبزادگان بعد پڑھنے نعوذ باللہ اور استغفر اللہ کے ۔

”اماں! گناہ اور بدعت میرے یہاں ہر گز نہ ہوگی۔“

پس آجاتا تاؤ اس فتوے پر مولانی کو اور جھاڑ پلاتی صاحبزادوں کو اس طرح۔

”موئے جھاڑو سے ماروں گی۔بھاڑ میں جاؤ تم اور تمھارے فتوے ۔خدا کی مار،تہوار آئے اور گھر کے مُردوں کی فاتحہ نہ ہو۔“(ایضاً ص۶۰)

مولانا کامل نے اپنے منفرد اسلوب نگارش کے حامل ان مضامین میں جہاں حریف جماعتوں کو نشانہ بنایا ہے وہیں اپنی جماعت کے ان لوگوں کو بھی نوک قلم سے زخمی کیا ہے جو محض حسد کی بنیاد پر اپنے ہی لوگوں کو صلح کلیت کا الزام لگا کر ذہنی وروحانی اذیتیں پہنچاتے ہیں ۔ اور ذیل کے اقتباس سے یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایسے ناعاقبت اندیش لوگوں کا مبلغِ علم کیا ہوتا ہے ۔ملاحظہ کیجیے:

”کتاب لے کر اوپر سے دیکھا، نیچے سے دیکھا،خاک سمجھ میں نہ آیا ۔ اول تو کتاب کے سرورق پر مختلف قسم کے موٹے موٹے عنوانات اور پھر عربی کے جملے، ترجمہ بھی ایسا کہ مجھ جیسا پرائمری پاس انسان زندگی بھر نہ سمجھ سکے ۔ سب سے موٹے عنوان کے ترجمے کا پہلا لفظ تھا ”علماؤں“ قاعدہ بغدادی سے لے کر پرائمری تک کی ایک ایک کتاب کو دیکھ ڈالا لیکن کہیں نہ ملا کہ ”علماؤں“ واحد ہے کہ جمع ۔اگر بتادیں ناظرین تو نذر کروں گا ایک کتابچہ صوفی چقندر شاہ سے لے کر بیرنگ ۔ دوسرا، تاریخی نام پڑھ کر تو عقل شریف سات سلام کر کے رخصت ہوگئی۔ حضرت شیخ کی سوا پانچ پیسے کی نیاز بھی مانی لیکن سمجھ میں نہ آیا۔خواب میں دیکھا کہ سارے تاریخ گو سر پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں ۔ آپ بھی پڑھیے اور کوتاہی عقل کا ماتم کیجیے ۔یعنی اس کتاب لاجواب کا تاریخی نام ہے۔

”غدر بے باک عالم“ ۱۴۰۸ھ

یقین ہے اس معاملہ میں کہ آپ سب میری ہی طرح ہوں گے اور زندگی بھر اس کا مطلب نہیں سمجھ سکیں گے۔اب آپ کہیں گے کہ باہر

کے حسن ورعنائی کا یہ عالم ہے تو پھر اندر کیا ہے۔؟ ذرا اسے بھی بتادو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا بتاؤں اور کیا نہ بتاؤں۔ع

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جاایں جاست

۔۔۔۔چند سطور کے بعد اس کے اندر کی عبارت کے چند جملے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے ایڈیٹر پاسبان الہ آباد والے کو توبہ کی توفیق نہ دی یعنی مدیر پاسبان بغیر توبہ کیے مرگئے اور رند نما جدید کتابی کفار اہل ندوہ اور سیرت کمیٹی صلح کلیت وغیرہ کجی والوں کے ہمراز ہیں ولاشک ولاریب وغلاف پوشیں سنیت میں ایک بھیڑیا خوئیہ صلح کلیہ ہے کہ اپنے پاسبان میں گاہے گاہے برابر صلح کلیوں کی توصیف وتحسین کچھ ہیر پھیر کے ساتھ چھاپ کر شائع کرتا رہتا ہے۔''

امید کہ صرف تین جملوں میں چودھوں طبق روشن ہوگئے ہوں گے۔ برادرم ولی محمد تھام والے ہیں کہ ایڈیٹر پاسبان کی سنیت کا ڈھول پیٹ رہے ہیں اور تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملارہے ہیں، خلیفہ جی کی تحریر پڑھ کر ان کا مزاج بھی از بسکہ صاف ہوجائے گا۔ خدا کی قسم! سنیت ہو تو ایسی ہو کہ دنیا میں صرف ایک ہم ہی سنی ہیں اور باقی سب پر توبہ لازم ہے۔'' (ایضاً ص۵۶-۵۷)

ان کے طنز ومزاح پر مشتمل ہر مضمون کا یہی حال ہے کہ شروع کر لینے کے بعد ختم کیے بغیر چھوڑنے کو جی ہی نہیں چاہتا ہے آپ نے بھی ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ کس قدر دلچسپ اور معلومات افزا ہے۔ یہ تو صرف ان کے چند مضامین کے کچھ اقتباسات ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد بھی ماہنامہ پاسبان میں ان کے یہ مضامین شائع ہوتے رہے ہیں یہاں تک کہ جب ہفت روزہ ''تاجدار''بمبئی کا اجراعمل میں آیا تو اس میں بھی طنز ومزاح کے کالم کی مانگ ہونے لگی اور مولانا کامل صاحب نے اس میں بھی ایک مستقل کالم جاری کیا اور ''شرارے'' کے عنوان سے ان کے مزاحیہ مضامین شائع ہونے لگے جو اکثر وبیشتر بنگلور سے نکلنے والے ہفتہ وار ''نشیمن'' کے مستقل کالم ''تھپڑا خیس'' کے ہفوات وخرافات کے رد اور جواب پر مشتمل ہوتے تھے جس سے ''تاجدار'' کی اشاعت میں بھی اضافہ ہوا اور لوگ دلچسپی سے اسے پڑھتے اور ایک کے بعد دوسرے شمارے کا انتظار کیا کرتے تھے۔

اپنی حیات کے آخری دور میں مدیر ''استقامت ڈائجسٹ'' کانپور حافظ ظہیر الدین قادری برکاتی مرحوم کے پیہم اصرار پر ''استقامت'' کی ادارت میں مولانا کامل سہسرامی شامل ہوگئے اور مشیر ومرتب کی حیثیت سے مدیر اعلیٰ کے قلمی معاون ومددگار ہوگئے۔ ایک ایک شمارے میں ان کے کئی کئی مضامین ہرماہ شائع ہونے لگے۔ اس میں بھی مولانا کامل صاحب نے ایک مزاحیہ کالم ''چل مرے خامے'' کے عنوان سے قائم کیا اور ہرماہ پابندی سے اس کالم کے تحت بھی ان کا مضمون شائع ہوتا رہا۔ مولانا کامل سہسرامی کے وصال (۱۹۷۹ء) کے ایک آدھ سال بعد جب راقم الحروف مدیر معاون کی حیثیت سے ''استقامت'' ڈائجسٹ کا شریک کار ہوا تو مدیر اعلیٰ کی زبانی اکثر وبیشتر مولانا کامل صاحب کے وصال سے جماعت اہل سنت کے نقصان کے ساتھ ساتھ اپنے استقامت ڈائجسٹ کے خصوصی ناقابل تلافی نقصان کا ذکر سنتا رہتا تھا۔ مدیر اعلیٰ کہتے تھے کہ ان کی شمولیت سے ڈائجسٹ کی اشاعت اور اس کی مانگ میں بہت اضافہ ہوگیا تھا جبکہ ایک بار بھی دفتر استقامت میں وہ تشریف نہیں لائے تھے۔

دوسری خاص بات یہ کہ ''تاجدار''اور'' استقامت ''میں ''شرارے'' اور ''چل مرے خامے ''کی تحریر مولانا کامل ہی کی ہوتی تھی مگر ''شرارے'' صیاد کے قلم سے اور ''چل مرے خامے'' ہمزاد اجتماعی کے ظرافت مآب ناموں سے منسوب کرتے تھے جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ انہیں اپنے نام ونمود کی پروا نہیں تھی۔ بہت مضامین دوسروں کے نام سے شائع کرادیتے تھے۔ افسوس! اس وقت ''تاجدار'' یا ''استقامت'' کے وہ شمارے میرے پیش نظر نہیں جن میں ان کے وہ مضامین شائع ہوئے ہیں ورنہ ان کے بھی کچھ نمونے نذر قارئین کیے جاتے۔

اے کاش! کوئی مذہبی وعلمی مواد سے دلچسپی رکھنے والا مولانا کامل کے سنجیدہ ومزاحیہ مضامین اکٹھا کرکے دونوں مجموعے الگ الگ مرتب کرکے شائع کرادیتا تو بہت بڑا کام انجام پاجاتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے میں مولانا کامل سہسرامی علیہ الرحمہ کو اپنی خصوصی رحمتوں سے نوازے اور ان کی مغفرت فرماکر ان کے درجات کو بلند فرمائے آمین۔

☆☆☆☆

نقد و نظر

نام کتاب: ضیائے سکٹھی
موضوع سکٹھی، تاریخ، مذہب، مسلک، معمولات
مرتب : مولانا اشفاق احمد مصباحی
صفحات 80 طباعت: ۱۴۳۷ھ/۲۰۱۶ء
ناشر: ریگل امپوریم ایسکلوزیو گارمینٹس اینڈ چلڈرندویئر،
وزیر بلڈنگ، ایس، وی پی روڈ، بھنڈی بازار، ممبئی
مبصر: مبارک حسین مصباحی

موضع سکٹھی، قصبہ مبارک پور سے قریب ایک قدیم آبادی ہے، بلکہ اب تو دونوں آبادیاں بڑی حد تک مل چکی ہیں، جب ہم ۱۹۵۸ء میں تعلیم و تربیت کے لیے جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوئے، اس وقت بھی سکٹھی کا بڑا ذکر سنا تھا، اس کے بعد اہلِ سکٹھی سے آہستہ آہستہ ہمارے تعلقات بڑھنے لگے اور اب تو اہلِ سکٹھی اور وہاں کے علمائے کرام وغیرہ سے ہمارے قریبی روابط ہیں۔ سکٹھی میں ہماری کثیر تقریریں ہوئیں اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ یہ بات عوام و خواص میں مشہور ہے کہ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کے طلبہ بڑی تعداد میں سکٹھی جاکر دونوں وقت کھانا کھاتے تھے، مبارک پور میں کھانا کھلانے والے گھروں کو جاگیریں کہا جاتا ہے، طلبۂ اشرفیہ جب جوق در جوق میں سکٹھی جاتے تھے تو دیکھنے والوں کے چہروں پر فرحت و مسرت کے آثار نمایاں ہوتے تھے۔ یہ طلبہ صرف کھانا ہی نہیں کھاتے تھے بلکہ جاگیر والے افراد سے دین وسنیت اور دیگر مسائل پر گفتگو بھی کرتے تھے، وہ طلبہ آج بڑے بڑے علما و مشائخ ہیں اور ہندو بیرون ہند تدریس و تصنیف اور دعوت و تبلیغ کی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں، ان میں کے بعض علما آج بھی ان جاگیرداروں سے گہرے روابط رکھتے ہیں، اگرچہ بہت سے علما اس دنیا سے رخصت بھی ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ ان جنت نشینوں کو بلند مقام عطا فرمائے، آمین۔ اہلِ سکٹھی آج بھی اشرفیہ والوں اور مبارک پور والوں سے علمی اور کاروباری گہرے روابط رکھتے ہیں۔

کتاب کے مرتب حضرت مولانا اشفاق احمد مصباحی معروف فاضل اشرفیہ سابق ناظم اعلیٰ الجامعۃ الاسلامیہ اشرفیہ سکٹھی بڑی خوبیوں کے حامل ہیں۔ موصوف دیانت و صداقت کے پیکر راور زہد و پارسائی کے علم بردار ہیں، کم گو اور حق گو ہیں، سنجیدہ اور دور اندیش ہیں، نثر نگار اور معروف شاعر ہیں اور تکمیل الطب کالج لکھنؤ کے سند یافتہ بھی ہیں۔ اس سے قبل بھی آپ کی چند کتابیں منظرِ عام پر آگئی ہیں، امید ہے کہ یہ سلسلہ نثر و نظم آئندہ بھی اسی طرح جاری رہے گا۔ آپ نے ۲۰۱۲ء میں الجامعۃ الاسلامیہ اشرفیہ، احسن المساجد اور جامع مسجد اہل سنت و جماعت کے تمام اخراجات اور قرضوں کی ادائیگی فرمائی اور ایک خطیر رقم کی حوالگی کے ساتھ اپنے عہدوں سے دست برداری فرمائی۔

حضرت مرتب نے کتاب کا آغاز اپنے اس شعر سے کیا ہے:

خدائے پاک کا کچھ فضل ہے اِس گاؤں پر ایسا
ہمارا بچہ بچہ ہے شہِ ابرار کا شیدا

پہلے دو صفحات پر مشتمل مرتب کا ”عرضِ حال“ ہے جس میں کتاب کا پس منظر اور معاونین کا شکریہ نامہ ہے جو ضروری تھا۔ اس کے بعد حضرت مولانا قمر الزماں مبارک پوری نے ”پیشِ گفتار“ رقم کی ہے۔ انھوں نے اہلِ سکٹھی کی بڑے فکر انگیز انداز میں خدمات اور اعتقادی احوال کا ذکر کیا ہے اور یہ موثر تنقید بھی تحریر فرمائی ہے کہ وہ علما اور طلبہ جو سکٹھی سے استفادہ کرتے تھے، اگر وہاں مدارس اور مکاتب کی جانب توجہ فرماتے تو سکٹھی اور مضافات میں بدعقیدگی اتنی تیزی سے نہیں پھیلتی۔ انھوں نے حضرت مولانا اشفاق احمد مصباحی کو مبارک باد بھی پیش کی ہے کہ وہ ایک کامیاب شخص ہیں، اس سے قبل بھی انھوں نے متعدّد کتابیں پیش کی ہیں اور اب ”ضیائے سکٹھی“ لکھ کر قارئین کو ایک قیمتی تحفہ دیا ہے۔

حضرت مرتب نے سکٹھی کے حوالے سے دستیاب تاریخ بھی رقم فرمائی ہے، موصوف لکھتے ہیں:

”مغل شہنشاہ جہانگیر (۱۰۱۴ھ/۱۰۳۷ھ) مدت حکومت کے عہدِ حکومت میں موضع ڈوبی ضلع جون پور کے رگ بنسی راجپوتوں سے دو بھائی ضیاء الدین اور نصیر الدین مسلمان ہوئے تو اس مغل شہنشاہ

نے یہ علاقہ انھیں بطور جاگیر عنایت کیا، جہاں آج سکٹھی آباد ہے، یہاں سیکٹ کے درختوں کی کثرت تھی، جس کی وجہ سے یہ موضع سکٹھی کے نام سے ہی معروف و مشہور ہوا۔ (سیکٹ مہوا کے مشابہ ایک درخت ہے)۔" (ضیائے سکٹھی، ص:۱۱)

اس کے بعد حضرت مرتب نے اعظم گڑھ اور مبارک پور وغیرہ علاقوں کی تاریخ درج کی ہے، اس کے بعد "مئو کے ضلع بننے سے پہلے سکٹھی سرکاری کاغذات میں" کے ذیلی کالم میں ہے درج ہے:

"سکٹھی شاہ محمد پور، تحصیل محمد آباد گوہنہ ٹپہ بہروز پور ضلع اعظم گڑھ درج تھا۔ اب تحصیل صدر میں شامل ہے۔ موضع سکٹھی تقریباً ۶۲۵ (چھ سو پچیس) گھروں پر مشتمل ہے، جب کہ آبادی چھ ہزار سے زائد ہے، قدیم آبادی میں ضیاء الدین خاں کی اولاد کے علاوہ اور بہت سارے مواضعات کے لوگ بھی آباد ہیں، ایک گھر گونڑ، ایک گھر بنیا کے علاوہ انصاری، ہاشمی، حجام، سامانی برادری، منصوری برادری اور شاہ صاحبان کی بھی خاصی تعداد ہے جب کہ گاؤں سے باہر دکھن پچھّم گوشہ پر دو حصوں میں اور پورب اتر گوشہ پر ایک حصہ میں ہریجن آباد ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ اب تک ماحول پر امن ہے، زمین و جائداد کے ایک دو تنازعہ کے علاوہ کبھی فرقہ وارانہ یا مسلکی تنازعہ نہیں ہوا۔ ایثار و ہمدردی کا جذبہ گویا اس موضع کی فطرت میں شامل ہے۔ انسانی ہمدردی کا یہ جذبۂ اسلامی قدیم آبادی کے بانی ضیاء الدین خاں رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اخلاف کے زمانے سے یہاں کی معاشرت کا ایک روشن باب ہے۔" (ضیائے سکٹھی، ص:۱۳)

حدودِ اربعہ، زبان زد قصہ، اس کے تحت ضیاء الدین خاں اور نصیر الدین خاں دونوں بھائی اور ان کی والدہ محترمہ کی عبادت و ریاضت کے تعلق سے ایک واقعہ نوٹ فرمایا ہے تحریکِ آزادی، اہلِ سکٹھی کا کردار و عمل، پنچایت، مساجد اور مقابر کا ذکر ہے، سیاسی حالات اور پردھانوں کا ذکر بھی ہے، اس کے بعد "عبد الحمید خاں سرنگ" کے حوالے سے قدرے تفصیلی گفتگو کی ہے۔ ۱۷/ فروری ۱۹۵۵ء میں اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے۔ آپ گودی ممبئی میں سرنگ کے عہدے پر فائز تھے، آپ اخلاص و مروت، اخلاق و کردار اور دین داری میں نہایت بلند تھے، جب ممبئی سے سکٹھی آجاتے تو مسلمانوں میں بہار آجاتی، ضرورت مندوں کی حاجت روائی کرتے، چلتے پھرتے مسلمانوں کو نمازوں کی تاکید فرماتے، ان کی آمد سے نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا۔ جلالۃ العلم حافظِ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ سے بے پناہ عقیدت فرماتے، موصوف انھیں کے دامن سے وابستہ اور مرید خاص تھے اور حضور حافظِ ملت بھی ان سے حد درجہ محبت اور شفقت فرماتے، ان کے گھر تشریف لاتے اور خوب خوب دعاؤں سے سرفراز فرماتے۔ حضرت مرتب لکھتے ہیں:

"اشرفیہ کے زبردست معاون اور خیر خواہ تھے اور ہمیشہ اشرفیہ کی ترقی کے لیے کوشاں رہتے، ممبئی میں اشرفیہ کے لیے زمین ہموار کرنے میں سرنگ صاحب اور اہلِ سکٹھی کی کوششوں اور قربانیوں کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ممبئی میں حضرت مولانا علی احمد علیہ الرحمہ کے تعارف اور مدرسہ کے چندہ کے لیے زمین ہموار کرنے میں اہلِ سکٹھی کی خدمات بے مثال ناقابلِ فراموش ہیں۔" (ضیائے سکٹھی، ص:۳۰)

جناب سرنگ علیہ الرحمہ دین و سنیت کے معاون تھے، چوک والی مسجد کی خستہ حالی دیکھ کر تعمیر کا ارادہ کیا اور پوری مسجد کو شہید کرا دیا، شب و روز اس کی تعمیر میں لگ گئے، کسے معلوم تھا کہ یہ رات آپ کی زندگی کی آخری رات ہوگی، مسجد کے کام سے فرصت پاکر جب گھر آئے، سینے میں درد اٹھا اور داعیِ اجل کو لبیک کہہ دیا۔ پورے گاؤں میں ایک سکتے کا عالم چھا گیا، ہر طرف غم و اندوہ کا ماحول تھا، دار العلوم اشرفیہ میں قرآن خوانی، ایصالِ ثواب اور دعاے مغفرت کی گئی اور تعطیل کا اعلان کر دیا گیا۔ نمازِ جنازہ میں قرب و جوار کے لوگ اور دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کے اساتذہ اور طلبہ نے شرکت کی اور حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی، انتقال کے وقت مرحوم کے تین لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں۔ بڑی ایک بیٹی کی شادی ہو چکی تھی، بڑے بیٹے عبد الاحد خاں درجہ دو کے طالب علم تھے، گھر کی ذمہ داریاں سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا، گاؤں میں ایک آٹے کی چکی اور ممبئی میں ایک دوکان حمیدیہ اسٹور تھا، جس کو پڑوس کے حاجی عبد الرؤف نے کرایہ پر لے رکھا تھا۔

انتقال کے چند روز بعد حضرت حافظِ ملت علیہ الرحمہ ان کے مکان پر تشریف لے گئے، تسلی، تشفی اور دعا کے بعد چند روپے بھی عنایت فرمائے اور ان روپیوں کو غلے میں رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد حاجی محمد صدیق صاحب جو عبد الاحد کے ماموں تھے، انھوں نے اپنے دونوں بھانجوں عبد الاحد اور عبد الوحید کو ممبئی بلایا اور انھیں اسی دوکان پر بیٹھا دیا اور خالی اوقات میں خود بھی نگرانی کرتے رہے۔ مرشدِ گرامی حضور حافظِ ملت کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا، حالات میں بہتری

آنے لگی، جلد ہی قریب میں بھنڈی بازار کے چوراہے پر ایک اور دوکان حاصل کر لی اور ریگل امپوریم کے نام سے ریڈی میڈ کا کام شروع کیا اور سب سے چھوٹے بھائی عبدالرشید کو حمیدیہ اسٹور پر بٹھایا اور دونوں بڑے بھائی ریگل امپوریم کی دوکان دیکھنے لگے۔

حضرت مرتب نے کتاب میں سکٹھی کے چند مشہور حضرات کا ذکر خیر کیا ہے۔ مولانا حکیم الطاف حسین، مولانا رجب علی، مولانا عبدالجبار خان مصباحی۔ آپ سکٹھی میں سب سے پہلے مصباحی ہیں۔ حضرت مولانا شیخ زاہد علی مصباحی، آپ کی ولادت ۱۹۴۸ء میں ہوئی۔ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور سے ۱۹۶۸ء میں دستارِ فضیلت سے سرفراز کیے گئے۔ بڑے بھائی اور والد ماجد ممبئی گودی میں ملازم تھے، آپ بھی ممبئی تشریف لے گئے۔ انھیں حضرات کے توسط سے عارضی طور پر کسی مسجد میں امامت فرمائی اور بعد میں جامع مسجد کاشی میرا میں مستقل امامت وخطابت کے لیے تقرری ہوگئی۔ اس مسجد کا عالم یہ تھا کہ کوئی امام مہینہ دو مہینہ یا چھ مہینہ سے زیادہ نہیں رکتا تھا۔ حضرت مولانا شیخ زاہد علی مصباحی کا بیان ہے:

”مسجد میں مجھے بھی ایک انجانی وحشت محسوس ہوتی اور جب رات میں نیند کھل جاتی اور زیادہ خوف محسوس ہوتا، بستی کے لوگ تو صرف نماز کے وقت دکھائی دیتے، شاید یہی وجہ رہی کہ یہاں کوئی امام زیادہ دنوں تک نہیں ٹک پاتا تھا۔ میرا حال بھی اس سے جدا نہیں تھا، جگہ کی تلاش میں تھا۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب رؤف رحیم ﷺ کا فضل اور احسانِ عظیم ہے کہ بے شان و گمان حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان تشریف لائے، حضرت کو اچانک دیکھ کر بے پناہ خوشی ہوئی، جو کچھ ہو سکا خدمتِ اقدس میں پیش کیا۔ دورانِ گفتگو حضرت نے فرمایا، مولانا آپ کو یہیں رہنا ہے اور یہیں سے دینِ متین کی خدمت کرنی ہے۔ لہٰذا انتہائی دل جمعی، عزم و حوصلہ اور سکون کے ساتھ آپ یہیں قیام کریں۔ اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر ہے۔ پھر مسجد میں تشریف لے گئے، اِدھر اُدھر چلے پھرے، دیکھ کر مسکرائے، فرمایا مولانا صاحب اطمینان رکھیں آپ کو یہاں سے دینی اور دنیاوی منفعت حاصل ہوگی، انشاء اللہ الرحمٰن، حضرت کے انھیں کلماتِ خیر سے میری ساری وحشت دور ہو گئی اور قلبی سکون حاصل ہو گیا۔“ (ضیائے سکٹھی، ص:۳۴،۳۵)

اس کے بعد مولانا کی وہاں بے پناہ مقبولیت ہو گئی۔ اہلِ بستی نے دلی دربار ہوٹل کے گراؤنڈ میں پان کی ایک دوکان بھی دلادی۔ اپنا ذاتی فلیٹ بھی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے زبان میں تاثیر دی تھی، جس سے مخاطب ہوتے شیدائی ہو جاتا، خطاب فرماتے تو دلوں میں بات اتر جاتی، خوش الحان قاری اور نعت خوانی میں شہرت تھی۔ آخری وقت میں مولانا پر فالج کا اثر ہو گیا۔ علاج کے بعد چلنے پھرنے کے لائق ہو گئے، مگر گفتگو رک رک کر کرتے تھے۔، ان حالات میں بھی کاشی میرا والوں کی دلی تمنا تھی کہ مولانا اپنی پوری زندگی یہاں گزاریں تاکہ ہم خدمت کا شرف حاصل کر سکیں۔ اہلِ وطن کی محبت انھیں وطن کھینچ لائی۔ والد گرامی مرحوم کا بیان ہے کہ رات میں استنجا خانے میں گئے، واپس آکر آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی، چارپائی پر بیٹھے اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپ کا انتقال ۲۷/ جون ۲۰۰۱ء میں ہوا۔ شاہ کے پنجے قبرستان میں تدفین ہوئی۔

حضرت مرتب نے مولانا عظیم الدین مصباحی، ماسٹر شوکت علی مرحوم، فنِ سپہ گری اور کشتی کے اکھاڑے، مسلک، روحانی سلسلے، دیوبندیت کی ابتدا، منشی عبدالرزاق، معمولات وغیرہ کا ذکر ہے۔ ۱۲۹۲ھ سے شبیہ غوث الوریٰ حضور سید علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمۃ کی آمد کا سلسلہ اور ان کی علمی اور روحانی خدمات پر تفصیلی نظر، تحریکِ اشرفیہ اور سکٹھی، الجامعۃ الاسلامیہ اشرفیہ سکٹھی، مدرسہ ریاض العلوم کا احیا، اخیر میں حضرت مصنف نے تاریخی یادداشت ایک نظر میں نوٹ فرمائی ہیں۔ مبارک پور اور سکٹھی وغیرہ میں یوں تو بہت سے مشائخ کا آنا جانا ہے، مگر کچھوچھہ مقدسہ کا روحانی سلسلہ خوب ہے۔ حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ نے ۱۹۵۶ء میں سکٹھی میں دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کی شاخ بنام ”مدرسہ اشرفیہ ریاض العلوم“ سکٹھی کو جاری فرمایا اور باضابطہ تنخواہ کا بھی انتظام فرمایا۔

کتاب معلومات افزا ہے، بہت سی باتیں جواب تک پردۂ خفا میں تھیں آپ نے ظاہر فرما دیں۔ کتاب کا لب و لہجہ واضح اور سلیس ہے، بات کہنے کا انداز موثر ہے، خاص بات یہ ہے کہ سکٹھی کے حوالے سے یہ پہلی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس تاریخی اور دینی کتاب کو قبولیت سے سرفراز فرمائے اور حضرت مرتب کو جزاؤں کی دولت عطا فرمائے، آمین۔

اخیر میں ہم کتاب کے ناشر ”ریگل امپوریم“ بھنڈی بازار ممبئی کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے اس کی اشاعت کر کے ایک یادگار کارنامہ انجام دیا ہے۔ مولا تعالیٰ انھیں بے شمار خصوصی نوازشوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔ ☆☆☆

منظومات

زمیں پر کام اور آرام نیچے، قولِ زرّیں ہے

نبی کا جو ہے پیارا تیرا پیارا، حافظِ ملت!
رضا کے دشمنوں کو نیزہ مارا، حافظِ ملت!

حضورِ مفتیِ اعظم نے کیسی بات کہہ دی تھی
یہیں سے کام ہوگا بس ہمارا، حافظِ ملت!

جہانِ سنیت کا دل یقیناً اعلیٰ حضرت ہیں
رضا والوں کا تو ہے ماہ پارہ، حافظِ ملت!

نشیمن پر ترے بجلی گرانے کی جو ٹھانے گا
ذلیل و خوار ہوگا وہ بے چارہ، حافظِ ملت!

ترے بزارِ علمی سے نہ ہو سودا شغف جس کو
اٹھائے گا جہاں میں وہ خسارہ، حافظِ ملت!

زمیں پر کام اور آرام نیچے، قولِ زرّیں ہے
عمل کے واسطے تونے ابھارا، حافظِ ملت!

زمانے کا سکندر عیشؔ گر ہوتا، لٹا دیتا
ترا صدقہ سمر قند و بخارا، حافظِ ملت!

مولانا فتح احمد عیشؔ بستوی مصباحی، ڈربن

منقبت در شان حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ

مقتدائے اہلِ سنت، حضرتِ عبد العزیز
مشعلِ راہِ ہدایت، حضرتِ عبد العزیز

عالمِ حکمِ شریعت، حضرتِ عبد العزیز
عاملِ قرآن و سنت، حضرتِ عبد العزیز

پاسبانِ قوم و ملت، حضرتِ عبد العزیز
دو ہمیں بھی نور و نکہت، حضرتِ عبد العزیز

چشمۂ رشد و ہدایت، حضرتِ عبد العزیز
آفتابِ علم و حکمت، حضرتِ عبد العزیز

کتنے اچھے ہیں معلم اور تلمیذِ رشید
حضرتِ صدرِ شریعت، حضرتِ عبد العزیز

کرتے ہیں تعظیم تیری سیدی آلِ رسول
اللہ اللہ تیری عظمت، حضرتِ عبد العزیز

ہو نیازؔ قادری پر بارشِ لطف و کرم
کیوں کہ تم ہو ابر رحمت، حضرتِ عبد العزیز

نیاز احمد قادری، سنت کبیر نگر

منقبت در شان
علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمۃ

بے باک، نڈر، قائدِ غیور سعیدیؔ
تو ظلمتِ الحاد میں اک نور، سعیدیؔ

افکار ترے، پرتوِ افکارِ رضاؔ ہیں
مسلک ہے ترا مسلکِ جمہور، سعیدیؔ

تو نیرِ اسلام، تو مہتابِ جہاں تاب
تابندہ رہیں گے ترے دستور، سعیدیؔ

حیراں ہے تری سرعتِ تحریر پہ دریا
اعجازِ قلم چشمۂ مستورؔ سعیدیؔ

لاچار ہے باطل، تری للکار کے آگے
تو سیفِ دلائل سے ہے منصور سعیدیؔ

پیتا ہے ترے ساغرِ حکمت سے زمانہ
عالم ہے ترے جام سے مخمور، سعیدیؔ

اعزاز ہیں مجھ کو تری توصیف کے لمحے
ہے فکر فریدیؔ تری مشکور سعیدیؔ

محمد سلمان رضا فریدی، مسقط، عمان

منقبت در شان علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمۃ

اے سعیدؔ قوم و ملت، تو عظیم الشان ہے
اہلِ سنت پر ترا احسان تھا، احسان ہے

عصرِ حاضر کا محدث اور فقیہِ بے مثال
کشورِ تحقیق بے شک، صاحبِ تبیاںؔ ہے

زندگانی دینِ حق پر وار دی اس شیر نے
کام ایسے کر گیا، دنیا سبھی حیران ہے

آج سونی ہوگئی ہے مسندِ تحقیق و فن
تم یہاں سے کیا گئے، خالی ہوا میدان ہے

اختلاف علم زیبا تھا تمہیں، تم نے کیا
پر ادب کے دائرے میں نقد ہے، فرمان ہے

اس صدی میں کوئی دکھلائے ذرا اس کی مثال؟
میں نہیں کہتا، جہاں بھر کا یہی فرمان ہے

اپنے یاروں کا صلہ، طعنہ، گلا، جور و جفا
غیر کے مکتب میں دیکھی تیری قدر و شان ہے

کوئی مانے یا نہ مانے، دِل تو کہتا ہے یہی
سیّد اہل قلم، تحقیق کا سلطان ہے

برملا اعجازؔ کہہ دوں گر تو یہ حق ہے میرا
محسن اسلام ہے تو سنّیوں کی جان ہے

مفتی ابو محمد اعجاز احمد، کراچی

صدائے بازگشت

مدارس کا وقار مجروح ہونے سے بچائیں

مکرمی! .... سلام مسنون

مدارسِ عربیہ ہمارے دینی قلعے ہیں، ان اداروں نے ملک و ملت کی تعمیر و ترقی میں جو کردار ادا کیے ہیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ حکومت کے ذریعہ سرو شکشا ابھیان (سب کے لیے تعلیم مہم) میں اربوں روپے پانی کی طرح بہایا گیا، مگر اس کا خاطر خواہ فائدہ نظر نہیں آیا، اس ضمن میں ہمارے مکاتب اور مدارس نے جو کارنامے انجام دیے ہیں، وہ آب زر سے تحریر کرنے کے لائق ہیں۔ برسوں انتظار کے بعد بھی حکومتوں کی نظریں ان مدارس کی طرف نہیں اٹھتیں کہ کسی طرح سے کتنی صعوبتیں برداشت کر کے یہ ادارے چلائے جا رہے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ رمضان المبارک سے ایک دو ماہ قبل ہی مطبخ چلانا مشکل ہو جاتا ہے، اِدھر اُدھر سے قرض وغیرہ کا سہارا لے کر طلبۂ مدارس کے لیے مطبخ کا چولھا جلایا جاتا ہے۔ دینی تعلیم کے حصول کے لیے طلبہ کو کتنی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہ اہلِ مدارس ہی جانتے ہیں۔ اکثر اداروں کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوا کہ کسی جگہ دال صحیح ملتی ہے تو چاول خراب (کیڑوں اور گھن سے بھرا) رہتا ہے۔ اگر چاول اچھا ہے تو دال اور سبزی نہیں ملتی۔ ایک ادارہ کے طالب علم نے تو اپنے ادارہ میں بننے والی دال سے متعلق اس ادارہ میں تعینات صدر مفتی سے یہ سوال کر بیٹھا کہ حضرت اپنے مدرسہ میں بننے والی دال سے وضو جائز ہے یا نہیں؟ دس سے بارہ سال تک طرح طرح کی تکلیفوں کو برداشت کر کے طالبانِ علومِ نبویہ حصولِ علم کی طرف گام زن رہتے ہیں اس کے بعد کہیں خدمتِ دین کا موقع ملتا ہے تو انتظامیہ و عوام کی جانب سے اتنی کم تنخواہ دی جاتی ہے کہ بہت مشکل سے اس دین کے سپاہی کا کام چل پاتا ہے۔ یہ تو اللہ کا فضل ہے کہ اس عالمِ دین یا حافظِ قرآن کا کپڑا چمکتا دمکتا رہتا ہے۔ اس امام کی بھی یہ خواہش رہتی ہے کہ ہمارے بچے بھی اعلیٰ تعلیمی اداروں میں علم حاصل کریں، اس کے سامنے بھی ایک سے بڑھ کر ایک ضرورتیں رہتی ہیں، مگر افسوس اتنی کم تنخواہ ہوتی ہے کہ اپنا ہی خرچ چلانا مشکل ہوتا ہے۔

جو علما سرکاری مدارس وغیرہ میں ملازمت کے مستحق ہوتے ہیں، رشوت کا نام سن کر ان کی روح کانپ جاتی ہے، میرے ایک عزیز نے بتایا کہ ان کے گاؤں کے ایک شخص نے اپنے بھائی کو ایک مدرسے میں ۲۵/ لاکھ روپے رشوت دے کر نوکری دلوائی اور ان سے یہ بھی کہا کہ کہیں اور جگہ خالی ہو تو بتائیں، دوسرے بھائی کو بھی نوکری دلانے کے لیے اتنی رقم دینے کے لیے ہم تیار ہیں۔ یقین جانیے جب میں نے یہ بات سنی ہے، میری آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ آخر اس طرح کے دنیا دار ہمارے ان دینی قلعوں کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں۔ آئے دن مدرسہ مافیا نئے نئے طریقے سے جعل سازی کر کے دیگر صحیح تعلیمی اداروں کی روحانیت اور تشخص و وقار کو مجروح کر رہے ہیں۔ ہزاروں معاملات دینی مدارس کے سلسلے میں کورٹ کچہری میں زیرِ غور ہیں۔ باصلاحیت علما مکاتب اور مساجد میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جو اردو لکھنا اور پڑھنا نہیں جانتے وہ رشوت کی بدولت بڑی بڑی درس گاہوں میں شو پیس بنے ہوئے ہیں۔ آخر کب تک ہم ان جاہل رشوت خور اور دنیاداروں کی قیادت کو برداشت کریں گے۔ کیا اس کا کوئی حل نہیں۔ خدا کے لیے مدارس کا وقار مجروح نہ ہونے دیں۔ یاد رکھیں دنیاوی زندگی بہت مختصر ہے۔ اللہ کے یہاں ہر ایک کا حساب دینا ہوگا۔

فقط نور الہدیٰ مصباحی، لکشمی پور، مہراج گنج

دینِ الٰہی - علمائے سو کے اختلاف کا نتیجہ

مکرمی! .... سلام مسنون

الحاد و ارتداد کی آخری منزل اسلام دشمنی ہوا کرتی ہے - چنانچہ اکبر اور اسکے پسندیدہ علمائے سو نے جو نیا دین گھڑنا شروع کیا اسکے لیے یہ فارمولا وضع کیا کہ تمام مذاہب سے ان کی اچھی باتیں نئے مذہب میں شامل کر لی جائیں لیکن اسلام سے کوئی چیز نہ لی جائے - اس فارمولا کی روشنی میں دوسرے تمام مذاہب و ادیان کا جائزہ لیا گیا اور نئے دین کے لیے ترجیح و عمل کا ذریعہ "عقل کا فیصلہ" قرار پایا - چنانچہ نصاری سے گھنٹہ بھی لیا جو گرجا گھروں میں بجتا ہے اور باپ بیٹا و روح القدس کی شلیث بھی.... ھون کی رسم جو پارسیوں سے پہلے ہندو راجاؤں کی لڑکیوں کے ذریعے اکبر کے حرم میں موجود تھی اس میں مسلسل روشنی رکھی جانے والی آگ کا اضافہ کر دیا گیا اور بادشاہ اکبر خود اعلانیہ آتش پرستی کرنے لگا - بنیادی طور پر ہندو دھرم بادشاہ کے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا کیونکہ حرم میں داخل ہندو راجاؤں و مہاراجوں کی لڑکیوں کو بادشاہ کے مزاج میں بڑا دخل حاصل تھا -

اکبر نے ایک برہمن برہم داس کو ملک الشعرا کا خطاب دے رکھا تھا یہی برہمن بیربر یا بیربل کے نام سے مشہور ہوا یہ بھی بادشاہ کے مزاج میں بڑا دخیل تھا اس کے اور اکبر کے تعلقات کے چرچے آج بھی ہندوستان کی گلی کوچوں میں ہوتے رہتے ہیں -

دین الٰہی کے تحت ہونے والی عبادت میں بجائے توحید کے شرک صریح آ گیا، آفتاب کی عبادت دن رات کے چوبیس گھنٹے میں چار بار لازمی قرار

پائی - بادشاہ پیشانی پر قشقہ بھی لگاتا اور جسم پر جینیو بھی پہنتا تھا - گائے اور اسکے گوبر کی پوجا ہونے لگی اور ہندوؤں نے بادشاہ کو یہ بھی باور کرادیا تھا کہ مور کی صورت میں خود بھگوان جلوہ گر ہے اور (معاذاللہ) بھگوان یعنی اللہ تعالی مور میں حلول کرگیا ہے - اکبر سنت رسول ﷺ یعنی داڑھی سے سخت نفرت کرتا تھا اور کوئی بھی مسلمان علی الاعلان نماز نہیں پڑھ سکتا تھا، انبیا و اولیا وفقہا کی کھلی توہین و تذلیل کی جاتی تھی اور ان سب افعال و اعمال کفریہ و شرکیہ میں صرف اکبر اکیلا مبتلا نہیں تھا بلکہ علماے سو اور صوفیہ خام بھی شامل تھے تاکہ ان کو شاہی دربار سے ملنے والا وظیفہ بند نہ ہو اور بادشاہ کے قریبی اور منظور نظر بنے رہیں -

یہ ہے وہ حالات کا پس منظر جس میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ظہور ہوا، آپ نے پوری طاقت سے اکبر کے نظریات کی مخالفت کی، آپ جہانگیر سے بھی نبرد آزما رہے کہ وہ بھی ابتدا میں ایسے ہی خیالات رکھتا تھا بلکہ اس نے تو جبرا حضرت سے سجدہ بھی کروانا چاہا تھا لیکن حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے سجدہ کرنے کی بجاے قید و بند کو قبول کرلیا اور گوالیار کے قلعہ میں آپ نظر بند کردیے گئے.....!

علماے سو کے اختلافات کا نتیجہ:- یہ حقیقت قطعی واضح اور تاریخی طور پر مسلمہ ہے کہ علماء اپنے اصل کردار، تبلیغ و اشاعت دین کو چھوڑ کر حکومت و دولت کی حرص میں مبتلا ہوں اور اموال کے تعاقب میں دین و عقبیٰ کو فراموش کردیں تو اس عمل سے بے شک ان علماے سو کی دنیاوی زندگی میں چند مادی سہولتیں اور آسائشیں پیدا ہو جاتی ہیں مگر علما کے اس کردار سے اسلام کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ بیان سے باہر ہے -

مغل بادشاہ جلال الدین اکبر انہی علماے سو کے کردار سے بیزار ہوکر اسلام سے ہٹتا چلا گیا اور بالآخر دین الہی گھڑ لیا تھا - چنانچہ اکبر اور پھر جہانگیر کے دور حکومت میں اسلام پر جو قیامت ٹوٹی اس کا آج شاید تصور بھی نہیں کیا جاسکتا. ماضی کے اس دور پر صرف ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ علماے سو کی فطرت کیا ہے؟ وہ صرف دولت کے خواہاں اور بادشاہ کے قرب کے طلبگار تھے اور یہی ان کی کل اوقات تھی -

جلال الدین اکبر اپنی ابتدائی زندگی میں اسلامی عبادات و عقائد کا سختی سے پابند تھا، نماز کے سلسلہ میں وہ سفر و حضر میں بھی جماعت ترک نہیں کرتا تھا، سفر میں ایک خاص خیمہ صرف نماز کے لیے مخصوص ہوتا تھا، شیخ عبدالنبی جو اکبر کے ابتدائی عہد حکومت میں "صدر جہاں" کے عہدے پر فائز تھا، اکبر ان کی انتہائی تعظیم بجالاتا تھا اور علم حدیث سننے و سمجھنے کے لیے بادشاہ خود انکے گھر جاتا تھا اور کئی دفعہ اکبر نے ان کی جوتیاں بھی سیدھی کرکے رکھیں -

علما و صلحا کی محبت اکبر کو اتنی محبوب و مرغوب تھی کہ شیخ سلیم چشتی علیہ الرحمہ کے قرب میں رہنے کے لیے اس نے فتح پور کو ہی دارالسلطنت بنالیا، بادشاہ مدتوں تک پاپیادہ اجمیر شریف زیارت کے لیے جاتا رہا اور اس نے اپنے مراقبہ کے لیے ایک عمارت بھی تعمیر کرائی تھی، جمعہ کے روز نماز کے بعد اسی عمارت میں بڑے بڑے علما کے اجتماعات ہوتے تھے اور اکبر کی یہ پوری رات علما و مشائخ کی صحبت میں گزرتی تھی اس مجلس میں آنے والے ہر عالم و شیخ کی معقول خدمت بھی کی جاتی تھی اس کے نتیجے میں دولت کے متلاشی علما و مشائخ کی خاصی بڑی جماعت جمع ہوگئی - اس دور کے ایک مورخ کے مطابق بحث مباحثے اور مناظرے کرنے والے علما کی تعداد سو سے زیادہ ہوتی تھی - اتنی بڑی تعداد میں جمع ہونے والے علماے سو آپس میں بھی لڑنے جھگڑنے لگے، ان کا پہلا جھگڑا نشست گاہوں پر ہوا، ان میں سے ہر ایک بادشاہ کے قرب کا خواہاں تھا اکبر نے پہلی بار تو انکے اس جھگڑے کو نظر انداز کردیا لیکن اس کے باوجود اکبر کے دل میں غیر شعوری طور پر ان علما کا احترام کم ہوگیا جو محض شاہی قرب کے لیے جھگڑتے اور ایک دوسرے کی نفی و تردید کرتے تھے - بعد ازاں ان کے یہ لڑائی جھگڑے اس حد تک بڑھے کہ وہ ایک دوسرے پر کفر و شرک کے فتوے لگانے اور ایک دوسرے کو گمراہ قرار دینے لگے - شاہی محفل میں بولتے ہوئے ان لوگوں کے گلوں کی رگیں پھول جاتیں اور بہت شور برپا ہوتا تھا، یہ ہلڑبازی بادشاہ اکبر کو سخت ناگوار گزری چنانچہ اس محفل کے منتظم ملا عبدالقادر بدایونی کو حکم دیا کہ آئندہ کسی نامعقول کو اس محفل یا دربار میں نہ آنے دیا جائے اور یہ پہلی خفت تھی جو اکبر کے ہاتھوں اس جماعت علما کو اٹھانا پڑی - ایک ہی چیز کو کوئی عالم حرام کہتا تھا اور کوئی حلال.....اس رویہ نے خود بادشاہ کو شک و شبہ میں ڈال دیا - ملا عبداللہ سلطانپوری نے صرف اس لیے کہ اسے فریضہ حج پر نہ جانا پڑے حج کے اسقاط کا فتوی دے ڈالا وہ "مخدوم الملک" کے عہدے پر فائز تھا - پھر جب سلطان پوری کا انتقال ہوا تو بادشاہ کے حکم سے لاہور میں واقع اس کے مکان کا جائزہ لیا گیا تو اس کے مکان سے اتنے خزانے ظاہر ہوئے کہ خود بادشاہ بھی دنگ رہ گیا - اس نے اپنے مکان کے ساتھ ہی ایک گورخانہ یا قبرستان بنا رکھا تھا اس کی تلاشی کے لیے قبریں کھودی گئیں تو ان قبروں سے سونے کی اینٹوں سے بھرے ہوئے صندوق برآمد ہوئے ان صندوقوں کو تابوت ظاہر کیا جاتا اور مردوں کے بہانے انہیں دفن کردیا جاتا تھا -

ان ہنگاموں سے شاہی کیمپ صبح و شام گونجتا تھا اکبر توان علما کو غزالی دوراں و رازی زمانہ سے بھی بہتر سمجھتا تھا لیکن انکا چھچھوراپن اور گھٹیا حرکتیں بادشاہ نے دیکھیں توان پر قیاس کرتے ہوئے وہ دوسرے علمائے حق سے بھی متنفر ہو گیا اور یہ کوئی غیر فطری اور غیر منطقی رویہ نہیں تھا جب ان لوگوں کے گھروں اور قبرستانوں سے سونے کی اینٹیں برآمد ہوئیں تو پھر ماضی کے غزالیوں اور رازیوں کے بارے میں کیا خیال کیا جاسکتا ہے؟

اس طرح کے مشائخ بھی تھے جو اکبر کے سامنے جھوٹے دعوے کرتے اور کہتے کہ آپ کے حرم کی حاملہ کے ہاں لڑکا پیدا ہو گا اور ہوتی لڑکی پیدا - ایسے ہی ایک صاحب کشف و کرامت ہونے کے جھوٹے دعویدار نے لاہور سے آکر اکبر کے دربار میں حاضری دی اکبر نے اس کے دعووں کا امتحان لیا تو وہ سب جھوٹے ثابت ہوئے اس پر اس جھوٹے شیخ و صوفی نے تسلیم کیا کہ میں نے یہ سب پیٹ کی مجبوری سے فریب کاری اختیار کی ہے -

علمائے سو کے اختلافات اور فتنے اس نوبت تک پہنچے ہوئے تھے کہ ایک ہی فعل و عمل ایک عالم کے نزدیک حرام تھا اور دوسرے کے نزدیک حلال...... ان باتوں نے بادشاہ کے دل و دماغ پر یہ اثر کیا کہ وہ دین سے ہی انکار کر بیٹھا - ملا مبارک اور اسکے شہرائے آفاق بیٹے ابوالفضل اور فیضی بھی بڑے عالم فاضل لوگ تھے فیضی نے قرآن مجید کی بے نقطہ تفسیر "سواطع الالہام" بھی لکھی - لیکن ابوالفضل اور فیضی ہی خاص طور سے وہ عالم تھے جو اکبر کی گمراہی کا سبب بنے - ان کا باپ ملا مبارک خود بہت بڑا عالم تھا معقولات و فقہ و اصول اس کا سرمایہ تھا لیکن اس کے دماغ پر فطرتاً شورش پسندی سوار تھی - مذاہب اربعہ کے اختلافات سے واقف ہونے کے باوجود وہ بعد میں غیر مقلد ہو گیا تھا اسکے خلاف دوسرے مولویوں نے سخت حملے بھی کیے لیکن جواب دینے کے بجائے ملا مبارک کو اس کے علم کے غرور نے خطرناک اقدام پر آمادہ کر دیا -

چنانچہ خلاف عادت درس و تدریس کے حلقہ سے نکل کھڑا ہوا دونوں بیٹے ابوالفضل اور فیضی ہمراہ تھے علم کا گھرانہ تھا، چنانچہ اکبر کے دربار میں بلند مرتبہ ہونے میں زیادہ دیر نہ لگی - علما کا ستایا ہوا تھا ہی چنانچہ اس نے اس کا بدلہ بھی علما ہی سے لیا اور ان تینوں باپ بیٹوں نے اہل سنت کے علمائے حق کو ہی نہیں بلکہ اصل اسلام کو اپنا ہدف بنا لیا اور اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب بھی ہوئے -

سچ پوچھیے تو ابوالفضل اور فیضی جیسے علمائے سو کا پیدا کردہ فتنہ تھا جس نے بالآخر دین الٰہی کو جنم دیا اور شخصی و ذاتی اختلافات بتدریج قومی مذہبی خطرہ بن گیا اس طرح خود دین کے معیاروں کے ہاتھوں دین کی بنیاد تباہ ہونے لگی اور آخر کار بادشاہ اکبر صرف جعلی دین الٰہی تک ہی محدود نہ رہا بلکہ جس عبدالنبی کے وہ جوتے سیدھے کرنے میں فخر محسوس کرتا تھا اسی عبدالنبی کو بھرے دربار میں جوتے مار کر اکبر قہقہے لگاتا تھا -

یہ علمائے سو تھے جنہوں نے سلطان وقت کو مجتہد سے بلند تر درجہ دیا اور بادشاہ کو سب سے بڑا عدل والا، عقل والا اور علم والا قرار دیا - چنانچہ اکبر پہلے تو اجتہاد کے درجے پر پہنچا اور پھر وہ علما و صلحا و فقہا کی اعلانیہ توہین و تحقیر کرنے لگا یوں اکبر کے دربار میں لوگ تمسخر اور ٹھٹھے کے ساتھ دین حق کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے لگے بادشاہ یہ اصرار بھی کرنے لگا کہ قرآن مجید خلق ہے اور وحی محال ہے اسکے ساتھ بادشاہ معجزات و کرامات کا بھی منکر ہو گیا - اس نے یہ عقیدہ اپنایا کہ بدن فنا ہو جاتا ہے جب کہ روح کے لیے عذاب و ثواب امر محال ہے -

اس پس منظر میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے بجا طور پر لکھا ہے کہ "علمائے سو اور جھوٹے مشائخ نے شیطان کو چھٹی دے کر خود اس کا کام سنبھال لیا ہے"

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے ابلیس کو دیکھا کہ وہ بیکار و نچنت بیٹھا ہے اس سے اس بے فکری کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگا کہ میرا سارا کام علمائے سو نے سنبھال لیا ہے، دنیا کو گمراہ کرنے کے لیے وہی کافی ہیں۔ ان مذکورہ حالات کو پڑھ کر ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کو تجدیدی و اصلاحی کام میں کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہو گا؟

اگر ہم اکبر کے دور کے علمائے سو اور آج کے دور کے علمائے سو کا موازنہ کریں تو یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ جو نقصان انھوں نے کیا آج پھر اسی کو دوہرایا جا رہا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ دین کا نقصان کیا جا رہا ہے - ذرا غور کیجیے معمولی باتوں پر ایک دوسرے پر کفر و شرک کے فتوے لگائے جا رہے ہیں، مال و زر کی حرص اندھا بنائے جا رہی ہے، اپنے آپ کو دین کے ٹھیکیدار کہلوانے والے ایک ایک پروگرام کی بھاری رقم وصول کر رہے ہیں، عوام کی اصلاح و تربیت کی فکر مفقود ہوتی جا رہی ہے - نتیجتاً عوام علما سے متنفر و بیزار اور دین سے کوسوں دور ہو چکے ہیں -

جس طرح امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے علمائے سو اور علمائے حق کے مابین امتیاز کر کے اور حق و باطل کا فرق واضح فرما کر امت مسلمہ کی ہچکولے کھاتی ہوئی کشتی کو ہمکنار کیا تھا - ہمیں آج پھر تعلیمات امام ربانی پر سختی سے عمل پیرا ہونے کی اہم ضرورت ہے۔ فقط

محمد اسحاق اکبری نقش بندی، اودے پور، راجستھان

جشن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لال چوک میں ۱۳/ واں عظیم الشان نعتیہ پروگرام

ERROR: undefined
OFFENDING COMMAND: Comma

STACK:

/Arabic

رودادِ چمن

جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں جشن یوم مفتی اعظم ہند

تاج دار اہلِ سنت مفتیِ اعظم ہند علامہ شاہ مصطفیٰ رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تاریخ ولادت ۲۲/ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ کی مناسبت سے طلبۂ اشرفیہ ۱۹۸۸ء سے بلاناغہ جشنِ یوم مفتی اعظم ہند مناتے آرہے ہیں۔ اس موقع سے مقالے لکھوائے جاتے ہیں، جس میں بلاتفریق جماعت ہر درجہ کے طلبہ بڑے جوش و خروش سے اپنی قلمی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس بار تحریری طور پر شرکت کرنے والے طلبہ کی کل تعداد ۵۹۵ ہے، جب کہ تقریر میں حصہ لینے والے طلبہ کی کل تعداد ۱۴۵ ہے۔ ہر جماعت کا عنوان الگ الگ ان کی تعلیمی اور جماعتی لیاقت کو ملحوظِ نظر رکھتے ہوئے دیا جاتا ہے۔ موجودہ جماعت سابعہ نے ۲۵/ فروری ۲۰۱۶ء بروز جمعرات ایک پروگرام بنام "جشن یوم مفتی اعظم ہند" منعقد کیا۔ اس پروگرام کا آغاز قاری عابد رضا بہرائچی کی تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ پھر بارگاہِ رسالت میں نعت کے گلدستے پیش کرنے کے لیے ناظمِ بزم مولانا صدام رضا نے مولانا محمد جنید رضا کو مدعو کیا۔ اس کے بعد تقریر میں اول پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ مدعو کیے گئے، جن میں محمد انور رضا ممبئی نے اردو زبان میں "مفتیِ اعظم ہند اور جماعتی شیرازہ بندی" کے موضوع پر زور دار تقریر کی اور کہا کہ آج ٹرین کے مسائل کو لے کر خوب چہ می گوئیاں ہو رہی ہیں، لیکن جب ہم حضور مفتیِ اعظم ہند کی زندگی کا صحیح مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے موقف کے خلاف فتویٰ دینے والے کو بھی بری بات کہنے سے اجتناب کرتے تھے۔ اس کی کئی مثالیں ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ حضور مفتیِ اعظم ہند کے دامن سے مضبوطی کے ساتھ وابستہ رہیں اور امت مسلمہ کو منتشر کرنے سے کوسوں دور رہیں۔ محمد عرف اچھے میاں مظفر پور انگریزی اور محمد ہاشمی رضا کشن گنج نے عربی زبان میں تقریر کی۔ ان کے علاوہ مولانا محمد رضا مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ نے "تصوف و روحانیت" اور مولانا حبیب اللہ بیگ ازہری مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ نے "مفتی اعظم ہند حیات و خدمات" کے عنوان پر مختصر مگر جامع تقریر کی۔ سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی پرنسپل جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے جماعت سابعہ کی جانب سے چھپنے والی کتاب "جامع المسانید الامام اعظم" کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ آج غیر مقلد امام اعظم کے بارے میں برے خیالات رکھتے ہیں کہ آپ حدیث داں نہیں تھے، جب کہ ان کی یہ بات مجرد عن الحق ہے۔ اگر نام نہاد اہلِ حدیث عصبیت کی عینک اتار کر نظرِ عمیق سے اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو یہ واضح ہو جائے گا کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فقہ کے ساتھ احادیثِ نبویہ پر بھی دست رس رکھتے تھے۔ اخیر میں آپ نے طلبۂ جماعت سابعہ کو ڈھیر ساری دعائیں دیتے ہوئے فرمایا کہ طلبۂ جماعت سابعہ اور دیگر معاونین اساتذہ ان کارناموں کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے تاریخ عالم میں یاد رکھے جائیں گے۔ اس کے بعد ناصر خاں رضوی نے اشرفیہ کی شان میں لکھا ہوا ترانہ پیش کیا۔ تقریباً گیارہ بجے مہمان خصوصی ڈاکٹر افضل حسین مصباحی اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اردو و فارسی ساگر یونیورسٹی (ایم پی) کھڑے ہوئے اور "عصر حاضر میں صحافت کی ضرورت و اہمیت" کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ صحافت کا تعلق شریعت سے ہٹ کر نہیں ہے، چوں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک لقب مخبر صادق بھی ہے، جسے ہم بلفظِ دیگر صحافیِ صادق بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور قرآن کریم نے جس دین اسلام کے مکمل ہونے کا اعلان کیا اسی دن گویا کہ زندگی کے تمام شعبوں کے لیے رہنما ہدایات دے دی گئیں اور حکم دیا گیا: "ادخلوفی السلم کافۃ" تو کیا صحافت جیسے شعبے کو اسلام نے یوں ہی چھوڑ دیا ہوگا؟ کیا قرآن کریم اور احادیث کریمہ نے اتنے اہم شعبے کے لیے تعلیمات نہیں دی ہوں گی؟ ایسا نہیں ہو سکتا، ہمیں اسلام کی تعلیمات میں جگہ جگہ میڈیا یعنی صحافت کے لیے رہنما ہدایات ملتی ہیں، بس ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس پر خاص توجہ دے کر اس شعبے کے لیے کام کریں اور دنیا کو اسلامی تعلیمات سے متعارف کریں تب جاکر ہم میڈیا کو راہِ راست پر لا سکتے ہیں اور نئی نسلوں کو ہفوات سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

میری نظر میں اسلامی صحافت اپنے آپ میں ریسرچ کا موضوع ہے، اس پر کھل کر بحث اور تحقیق کی ضرورت ہے، عصر حاضر میں اس کی اہمیت و افادیت اور زیادہ ہے، کیوں کہ یہ صدی میڈیا کی صدی ہے۔ اگر صحافت اور ابلاغیات کے بارے میں اسلام کا نظریہ عام ہو جائے تو عین ممکن ہے کہ موجودہ صحافت (میڈیا) سے جو برائیاں جنم لے رہی ہیں اور طاقت ور ممالک ہر جائز اور ناجائز مقاصد کے لیے میڈیا کا جو غلط استعمال کرتے آئے ہیں، اس پر قدغن لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے ڈاکٹر افضل مصباحی نے کہا کہ آپ نیٹ پر غلط بات شیئر نہ کریں، کیوں کہ جب آپ غلط بات شیئر کرتے ہیں تو لوگ آپ سے متنفر ہو جاتے ہیں اور اسلام کی تعلیمات سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ اس لیے آپ جب بھی کوئی بات پوسٹ کریں تو خوب غور و فکر کرنے کے بعد پوسٹ کریں۔ اس کے بعد محمد فیضان سرور نے ہدیۂ تشکر پیش کیا اور اخیر میں عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ دام ظلہ العالی سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ نے نصیحت آمیز کلمات فرمائے اور ان کی دعاؤں پر یہ پروگرام اختتام کو پہنچا۔ اس جشن میں جملہ اساتذہ و طلبہ کے علاوہ دیگر مدارس کے طلبہ بھی کثیر تعداد میں موجود تھے۔

از: محمد کامل رضا، کٹیہار۔ جماعت سابعہ جامعہ اشرفیہ

خیر و خبر

۴۲؍ویں عرس سیدی برکاتی کی مختصر روداد

ہر سال کی طرح برصغیر کی سب سے بڑی روحانی وعرفانی خانقاہ، خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ میں ۴۲؍ واں سالانہ عرس سیدی برکاتی ۱۹؍۲۰؍۲۱؍ فروری ۲۰۱۶ء جمعہ سنیچر اتوار کو نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا۔ عرس کی تقریبات کا آغاز ۱۸؍ فروری بروز جمعرات بعد نماز عشا محفلِ مولود سے ہوا جس میں جامعہ آلِ رسول کے جملہ اساتذۂ کرام اور طلبہ کے علاوہ اور بھی بہت سے علما و مشائخ نے شرکت کی، تلاوت و نعت و منقبت کے بعد صاحب زادہ حضرت مولانا سید نواز اختر چشتی دام ظلہ (ولی عہد خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف) نے ”لئن شکرتم لازیدنکم“ کے عنوان پر سیر حاصل گفتگو کی۔ آخر میں وقارِ ملت حضرت علامہ سید سبطین حیدر میاں برکاتی لطیفی مارہروی سجادہ نشیں خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ نے اپنے نصیحت آمیز اور دعائیہ کلمات ادا کیے اور پھر صلاۃ و سلام پر محفل کا اختتام ہوا۔

مورخہ ۱۹؍ فروری بروز جمعہ بعد نمازِ فجر خانقاہ شریف میں کچھ دیر ذکر و اذکار اور قرآن خوانی ہوئی، پھر صبح ۹؍ بجے حضور وقارِ ملت نے برکاتی سماع خانے میں پرچم کشائی کی اور ملت کی صلاح و فلاح کے لیے دعا فرمائی۔ اس موقع پر جامعہ آلِ رسول کے تمام طلبہ و اساتذہ کے علاوہ خلفاے خاندانِ برکات کی جماعت نے شرکت فرمائی۔

اس کے بعد ۱۰؍ بجے سے جامعہ آلِ رسول کے طلبہ نے اپنے اساتذہ حضرت مولانا ممتاز حسن ازہری (پرنسپل جامعہ ہذا) و حضرت مولانا اشفاق حسین ازہری و حضرت مولانا محمد کلیم مصباحی اور (راقم الحروف) شاہد سعدی کی زیر نگرانی یوم نظمی منانا شروع کیا۔ جس کا آغاز تلاوتِ قرآن، نعت و منقبت سے ہوا۔ اخیر میں حضور وقارِ ملت اپنے برادران اور متعدّد خانقاہوں کے پیرزادگان و ساداتِ کرام کے جلو میں اسٹیج پر تشریف لائے اور سامعین کے دلوں کو اپنے نورانی بیانات سے مسحور کر دیا۔ محفل کا اختتام صلاۃ و سلام اور دعا پر ہوا، پھر زائرین نے جامعہ آلِ رسول کے عبادت خانہ میں نمازِ جمعہ ادا کی، بعد نمازِ جمعہ لنگرِ عام تقسیم ہوا۔ پھر ۳؍ بجے سے شام ۶؍ بجے تک وقارِ ملت نے اپنے مریدین و متوسلین سے ملاقاتیں کیں۔ عشا کی نماز کے بعد کچھ وقت نعت و منقبت اور تقریر کا پروگرام چلا، اس کے بعد محفلِ سماع شروع ہوئی اور پھر یہ صبح ۴؍ بجے تک چلتی رہی۔

۲۰؍ فروری بروز سنیچر فجر کے بعد خانقاہ میں ذکر اور قرآن خوانی کی محفل سجی، پھر صبح قریب ۱۱؍ بجے جامعہ آلِ رسول کے برکاتی عبادت خانے میں عرس کی دوسری تقریب کا آغاز تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ جامعہ کے طلبہ اور باہر سے آنے والے بے شمار علما و خطبا اور شعرا نے صاحبِ عرس حضرت سید شاہ آلِ مصطفیٰ عرف سید میاں مارہروی علیہ الرحمہ اور ان کے شہزادے حسانِ مارہرہ حضرت سید شاہ آلِ رسول حسنین میاں نظمی مارہروی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں اپنی اپنی عقیدتوں کا خراج پیش کیا اور ڈھیر ساری نیکیوں کے حق دار بنے۔ آخر میں وقارِ ملت آئے اور انھوں نے اپنے خاندان کے سلسلہ نسب اور صاحبِ عرس کی تعلیمات اور ان کے فیوض و برکات پر روشنی ڈالی، جس کا مجمع پر خوب اثر ہوا۔ بیچ میں نماز ظہر اور طعام کا تھوڑی دیر وقفہ رہا۔ پھر شام ۴؍ بجے تا نمازِ عصر ایک مجلس حدیث کا انعقاد ہوا جس میں حضور وقارِ ملت نے ایک حدیث بیان کی، جو ان کو اپنے اجداد و امجاد سے حاصل ہوئی، اس کا معنیٰ اور مفہوم بتایا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے تمام خلفا اور ساداتِ کرام کو اس حدیث کی سند اور کچھ تحفے عطا کیے اور کئی لوگوں کو خلافت و اجازت سے بھی نوازا۔

بعد نماز عشا ساداتِ کرام و پیرزادگان اور کثیر علما و مشائخ اور خلفا کی موجودگی میں صاحبِ سجادہ حضور وقارِ ملت کی خرقہ پوشی ہوئی۔ آپ اپنے بزرگوں کے تمام تبرکات زیب تن فرما کر برکاتی سماع خانے میں جلوہ بار ہوئے اور وہاں لوگوں سے ملاقات کی۔ انھیں دعائیں دیں۔ اس کے بعد حضرت علامہ سید محمد اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھہ مقدسہ پریسیڈنٹ آل انڈیا علما و مشائخ بورڈ کا تصوف اور اہلِ تصوف کی فضیلت پر ایک خصوصی خطاب ہوا۔ پھر محفلِ سماع شروع ہوئی اور رات گئے تک چلتی رہی۔

۲۱؍ فروری بروز اتوار عرس کی آخری تقریب کا آغاز ۹؍ بجے قرآن مجید کی تلاوت سے ہوا۔ مادحین نے نعت و منقبت کے نذرانے پیش کیے، علما نے تقریریں کیں۔ ناچیز نے بھی اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں جامعہ آلِ رسول کا کچھ تعارف پیش کیا۔ اس کے بعد حضور وقارِ ملت نے

خصوصی خطاب فرمایا، لوگوں کو پیار اور محبت کا پیغام دیا اور جامعہ آلِ رسول سے فارغ ہونے والے علما و حفاظ (طلبہ) کے لیے دعائیں کیں اور دین کی تبلیغ واشاعت کی انھیں تاکید فرمائی پھر ملک کی مشہور خانقاہوں کے سادات و پیرزادگان نیز بہت سے جید علما و مشائخ کی موجودگی میں ان طلبہ کو آپ نے دستار و سند اور کچھ ہدایات سے بھی نوازا۔ جن مشائخ نے شرکت فرمائی ان کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے:

سید شاہ میرخرّم میاں صاحب سجادہ خانقاہ چشتیہ معینیہ، بھوپال، سید شاہ نور چشتی، خانقاہ چشتیہ کالپی شریف، سید نواز اختر چشتی ولی عہد سجادہ نشیں خانقاہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف۔ سید محمد اشرف اشرفی، صدر آل انڈیا علما و مشائخ بورڈ۔ سید فیض حسن صفوی، خانقاہ صفویہ اٹاوٗ۔ سید زید حسن زیدی، کالپی شریف۔ سید سہیل اشرف وارثی، آستانہ دیوا شریف۔ سید چندہ میاں سجادہ آستانہ صفی پور شریف، سید شعیب بقائی سجادہ آستانہ بقائیہ صفی پور شریف، سید حسنین میاں آستانہ چشتیہ جھونسی شریف، الہ آباد۔

اس کے بعد ۱:۳۰ر بجے قل شریف کا آغاز ہوا اور آخر میں سرکارِ دوعالم ﷺ اور آپ کے اہلِ بیت سلام اللہ علیٰ جدہم وعلیہم اجمعین کے تبرکات کی زیارت کے بعد عرس پاک کا بخیر و عافیت اختتام ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

از: محمد شاہد علی سعدی، استاذ جامعہ آلِ رسول، مارہرہ مطہرہ

خانقاہ برکاتیہ عزیزیہ اراضی چلبلوا میں علما کی میٹنگ

گورکھ پور۔ دانش وران قوم بالخصوص علما کو اجتماعی شعور کے ساتھ ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو ہر لحہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے، ساتھ ہی مثبت اور سرگرم کردار کے ذریعہ مسلم مسائل کے حل کی طرف خصوصی توجہ دینا بہت ضروری ہے۔ مذکورہ خیالات کا اظہار رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی نے خانقاہ عالیہ برکاتیہ عزیزیہ اراضی چلبلوا ضلع گورکھ پور میں منعقدہ علما و دانش ورانِ قوم کی خصوصی میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے کیا، انھوں نے کہا کہ دینِ اسلام ہر شعبۂ زندگی کے لیے مستحکم رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ ماضی میں مسلمانوں نے اسلام کو ایک مکمل نظامِ زندگی کے طور پر اپنایا تھا اور وہی ان کی کامیابی کا راز تھا۔ عصر حاضر میں مسلمانوں نے اپنی علمی اور فکری پس ماندگی کے سبب دین کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ قرآنی تعلیمات پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے اور وہی ان کی ناکامی کا سبب ہے۔ عالمی سطح پر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ہمیں عربی و انگلش زبان میں بھی مہارت حاصل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ طلبۂ مدارس کو ابھی سے اس طرف توجہ دلائی جائے۔ عالمی سطح پر اسلام اور پیغمبرِ اسلام اور قرآن مقدس کے خلاف ہونے والے اعتراضات اور حملوں کا بروقت اور مناسب جواب ہم اسی وقت دے سکتے ہیں، جب عالمی زبانوں میں مہارت ہوگی۔ اسی طرح ہندی زبان میں بھی اسلامی لٹریچر کی نشر و اشاعت کی جانی چاہیے۔ تاکہ اہلِ وطن اسلام اور پیغمبر اسلام و قرآن کی تعلیمات سے واقف ہو سکیں اور ان کے خلاف پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔

دہشت گردی کے تعلق سے اظہارِ خیال کرتے ہوئے علامہ مصباحی نے کہا کہ دہشت گردی کا سرچشمہ اسلام دشمن عناصر کی شیطانی کھوپڑی ہے، جس کے کھیل کا آغاز افغانستان سے ہوا۔ طالبان اور القاعدہ اور داعش نہ صرف یہ کہ اسی کھوپڑی کی پیداوار ہیں بلکہ اس کے بہت سے سرگرم ممبران اس کے وظیفہ خوار ہیں، جو کبھی جہاد اور کبھی کچھ اور کا چہرہ آگے کر کے اپنی بازی گری اور تماشا دکھاتے رہتے ہیں، جس سے ملک و ملت کے ہر باشعور شہری کو ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

میٹنگ کی صدارت مولانا محمد صفی اللہ خاں قادری پرنسپل دار العلوم فتح العلوم بڑہر انجمن مولانا قاری عبدالمصطفیٰ ندیم مصباحی، قیادت مولانا شمس تبریز رضوی اور مولانا نور الہدیٰ مصباحی کثیر تعداد میں علما و دانش ورانِ قوم موجود تھے۔

از: نور الہدیٰ مصباحی، گورکھ پور

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے انعامی مقابلہ میں البرکات کے طلبہ کامیاب

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وقار الملک ہال میں ۱،۲،۳/مارچ کو ’’بزم وقار ۲۰۱۶ء‘‘ کے نام سے ایک ادبی وثقافتی پروگرام منعقد ہوا، جس میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور شہر علی گڑھ کے مختلف اداروں کے طلبہ کے درمیان قرات، نعت، تقریر، مباحثہ، مضمون نگاری وغیرہ میں مقابلہ کرایا گیا۔ اس مقابلے میں البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ (ABIRTI) کے طلبہ نے بھی حصہ لیا اور اپنی صلاحیتوں کا شاندار مظاہرہ کرتے ہوئے کئی مقابلوں میں اول، دوم اور سوم انعامات حاصل کیے۔

یکم مارچ کو مباحثہ (DEBATE) اور برجستہ تقریر (EXTEMPORE) کے مقابلے میں طلبہ نے حصہ لیا۔ مباحثہ میں

مولانا رضاء الحق امجدی نے دوم اور مولانا طیب رضا مصباحی نے سوم انعامات حاصل کیے اور برجستہ تقریر میں مولانا ریاض الدین امجدی نے اول، جبکہ مولانا رضاء الحق امجدی نے دوم انعامات حاصل کیے۔

۲ر مارچ کو مضمون نگاری، قرات، نعت وغیرہ کا مقابلہ ہوا۔ نعت میں مولانا محمد محسن مصباحی نے دوم، مولانا محمد شہباز احمد مرکزی نے سوم اور مولانا محمد علی فیضی نے ترغیبی انعامات حاصل کیے۔ قرات میں مولانا دلشاد احمد مصباحی کو دوم، جب کہ مولانا محمد علی کو سوم انعام ملا۔ اس طرح البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کے طلبہ نے مجموعی طور پر ۹/انعامات حاصل کیے۔

ABIRTI کے ڈائرکٹر حضرت سید محمد امان میاں قادری نے طلبہ کی اس نمایاں کامیابی پر انھیں مبارکباد دی اور دعاؤں سے نوازا۔

از: توحید احمد برکاتی، جامعہ البرکات، علی گڑھ

عرس امام الاولیا وجشن دستار فضیلت

۳/۴ر فروری ۲۰۱۶ء بروز بدھ جمعرات، دار العلوم غوثیہ حضوریہ خانقاہ سریا بوسط اماری کوئلسہ ضلع اعظم گڑھ میں ۱۳ر واں عرس امام الاولیا اور ۲۹ر واں جشن دستار بندی کا انعقاد ہوا۔ جملہ تقریبات کی سرپرستی وصدارت جانشین امام الاولیا، شیخ طریقت حضرت علامہ الشاہ سید حامد حسن الجیلانی قادری نقش بندی نے فرمائی۔ مورخہ ۳ر فروری ۲۰۱۶ء بروز بدھ بعد نماز ظہر ختم بخاری شریف کی تقریب منعقد ہوئی جس میں حضرت مفتی الحاج حفیظ اللہ نعیمی نے دار العلوم غوثیہ حضوریہ کے درجہ فضیلت سے فارغ ہونے والے طلبہ کو بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیا اور بخاری شریف کی فضیلت اور امام بخاری کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے علمی نکات پر مشتمل ایک پرمغز خطاب فرمایا، بعد نماز عشا جلسہ عام کا انعقاد ہوا جس میں مقامی وبیرونی علماے کرام نے کثیر تعداد میں شرکت فرمائی۔

نبیرۂ حافظ ملت حضرت مولانا محمد نعیم الدین عزیزی الجامعۃ الاشرفیہ نے مدلل خطاب فرمایا حضرت مفتی بدر عالم مصباحی استاذ ومفتی جامعہ اشرفیہ نے اصلاح معاشرہ سے متعلق پر مغز خطاب فرمایا۔

خصوصی خطاب مفکر اسلام صاحب قرطاس وقلم خطیب العصر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی چیف ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ کا ہوا۔ موصوف نے علم کی اہمیت وضرورت، شریعت وطریقت اور تصرفات اولیاے کرام کے تعلق سے بصیرت افروز گفتگو فرمائی۔ ظفر عقیل کلکتہ اور حسن نواز سیوان اور امام الدین بہرائچی نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا اور نقیب اہل سنت حضرت مولانا قسمت اللہ سکندر پوری نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔

دار العلوم غوثیہ حضوریہ کے درجہ فضیلت میں ۱۳ر اور قراءت میں ۱۸ر اور حفظ میں ۱۹ر طلبہ کل مجموعی ۴۰ر طلبہ کے سروں پر علماے کرام ومشائخ عظام کے مقدس ہاتھوں دستار باندھی گئی۔ رات ۱ر بج کر ۵۵ر منٹ پر حضور امام الاولیا علیہ الرحمہ کا قل ہوا۔ شیخ طریقت حضرت علامہ الشاہ سید حامد حسن جیلانی کی دعا پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ شرکاے اجلاس میں مفتی زین العابدین شمسی، مولانا ولی محمد بلرام پور، شاہد رضا زہری گوہاٹی، مولانا انوار احمد نعیمی فیض آباد، مولانا نور الہدیٰ مصباحی سنت کبیر نگر، مولانا جلال الدین مصباحی بسکھاری، مولانا معتصم باللہ، ٹانڈہ، مولانا نور محمد سکندر پور، مولانا شکیب الرحمٰن گوہاٹی قابل ذکر ہیں۔

۴ر فروری بروز جمعرات بعد نماز فجر قرآن خوانی اور ۹ر بجے صبح چادر پوشی بر آستانہ امام الاولیا وبعدہ جلسہ عید میلاد النبی ﷺ کا انعقاد ہوا جس میں حضرت مولانا معتصم باللہ ومولانا ذوالفقار صاحب کلکتہ کے علاوہ خصوصی خطاب حضرت مولانا شاہد رضا زہری گوہاٹی کا ہوا۔ موصوف نے تصوف کے تعلق سے ایک مدلل خطاب فرمایا۔ جلسہ کی نظامت مولانا انوار احمد نعیمی نے فرمائی اور منظوم خراج عقیدت ظفر عقیل کلکتہ اور اکمل رضا نواری نے پیش کیے۔ دوپہر ۱ر بجے قل وشجرہ خوانی اور صاحب سجادہ حضرت علامہ سید حامد حسن صاحب قبلہ جانشین امام الاولیا کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔ شرکا میں اساتذۂ دار العلوم غویہ حضوریہ کے علاوہ حضرت مولانا نیاز احمد صاحب گوہاٹی، حضرت مولانا الیاس احمد مصباحی بستی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

از: محمد سراج احمد برکاتی مصباحی، دار العلوم غوثیہ حضوریہ

مفتی عبد الرشید علیہ الرحمہ کی علمی ودینی خدمات پر سیمینار

ام سلمٰی گرلز کالج سائنس اینڈ آرٹس ناگ پور میں ریاست مہاراشٹر کی مشہور ومعروف دینی درس گاہ جامعہ عربیہ اسلامیہ، ناگ پور کے بانی فقیہ اعظم حضرت مفتی عبد الرشید خان فتح پوری علیہ الرحمہ کی بے لوث خدمات پر ایک روزہ سیمینار کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت سید ظل الرحمٰن (سابق پروفیسر اور ڈین شعبۂ ادبیات اجمل خاں طبیہ کالج اور فاؤنڈر پریسیڈنٹ......(باقی ص:۵۲ پر)